www.shibliinternational.com

APR 2021

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

-/20 روپے

جلد:Vol4_شمارہ:Issue38

اپریل Apr :2021

ماہنامہ

حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابوہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی
مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر عمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبدالوحید ندوی، مولانا احمد نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابوہریرہ ایوبی، محسن خان

SADA E SHIBLI
A/c: 13271024000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ:220
رجسٹرڈ ڈاک:350-بیرونی ممالک:50 امریکی ڈالر
خصوصی تعاون:1000

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Mob:9392533661 - 8317692718

Email: sadaeshibli@gmail.com

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد مجاہد بلال اعظمی	۵
۲	اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۶
۳	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۷
۴	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۱
۵	مہمان کی آمد	مفتی ولی اللہ مجید قاسمی	۱۳
۶	رمضان کے روزے (نظم)	حضرت عبدالرحمٰن جامی	۱۵
۷	غزلیں	قاضی انصار	۱۵
۸	فلسفۂ کو ابن عربی کے افکار کی روشنی میں	مفتی امانت علی قاسمی	۱۶
۹	فروغ اردو اور اسلام	ساجد حسین ندوی	۱۹
۱۰	ادب اطفال کی فنی خوبیاں	ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی	۲۳
۱۱	تلگو ادب کی ممتاز شاعرہ۔ سری ٹا	نہاں نوری	۲۷
۱۲	قطب شاہی عہد میں دکن کے علوم وفنون پر ایرانی اثرات	منظور حسن گزا	۳۰
۱۳	فرسودہ خیالات اور حکومت	شمیم مشتاق معروفی	۳۳
۱۴	خدمت خلق کے علمبردار	محمد قمر الدین	۳۶
۱۵	خبر	ادارہ	۳۹

ماہنامہ ”صدائے شبلی“ کے خصوصی معاونین

ابو سفیان اعظمی، مقیم حال ممبئی ...... الحاج **محمد منیر الدین عرف ولی**، آغا پورہ حیدرآباد
ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد ...... الحاج **محمد عبد الستار** سکندرآباد حیدرآباد
علی میاں احمد پٹھان رائے گڑھ (مہاراشٹر) ...... **علی احمد عبد اللہ** کونچالی رائے گڑھ (مہاراشٹر)
الحاج **رئیس احمد اقبال** انجینئر، سکندرآباد حیدرآباد ...... **محمد عبد الماجد** ایڈوکیٹ، سکندرآباد حیدرآباد
جناب قاضی **فیض الدین**، ایر ٹوزیل مہاڈ، رائے گڑھ مہاراشٹرا۔ ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج
چارمینار، حیدرآباد ...... مولانا **محمد عبد القادر سعود** ٹاس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد۔
الحاج **محمد قمر الدین** نیمل کالونی بارکس حیدرآباد

اپنی بات

جب ہمارا یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو اس وقت رمضان المبارک کا مقدس مہینہ شروع ہو چکا ہوگا، رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ نجات عن النار کا ہے۔ اس ماہ مقدس میں فرض کا ثواب ستر فرض کے برابر ہو جاتا ہے۔ روزہ کا بدلہ خود اللہ رب العزت عطا فرمائیں گے۔ اس کی رات میں تراویح پڑھی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہماری مسجدیں قرآنی تلاوت سے منور ہو جاتی ہیں، اس وجہ سے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ ہم رمضان المبارک کی خوب قدر کریں تاکہ اللہ ہمیں مغفرت اور رضا کا پروانہ عطا کردے۔ رمضان کے اخیر عشرہ میں شب قدر ہے اس کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کی فضیلت آئی ہے کیونکہ اس میں ہزار راتوں کے بقدر ثواب ملتا ہے اور اسی میں اللہ نے قرآن نازل کیا۔ اللہ ہم سب کو رمضان المبارک کی سعادتیں امن و عافیت کے ساتھ نصیب فرمائے آمین۔

وباء کرونا پھر ایک مرتبہ عروج پر پہنچ رہی ہے، مگر ایسا لگتا ہے کہ سیاستدانوں کی ریلیوں، شراب خانوں، اور بازاروں میں اس کا اثر نہیں ہوتا ہے اور بیماری پھیلاتا ہے تو عبادت گاہوں اور تعلیم گاہوں میں اس وجہ سے ہماری حکومتیں محض انہیں دو جگہوں پر پابندیاں اور لاک ڈاؤن کررہی ہیں، ہوش کے ناخن لینے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر ان دونوں جگہوں پر زیادہ دنوں تک بند لگا رہا تو مستقبل کے نتائج بہت بھیانک ہوں گے۔ اس لیے کہ تعلیم اور عبادت سماج کی سب سے بڑی طاقت ہے، اس کا سلسلہ جاری اور مستحکم ہونا چاہئے۔

اہم ہستیوں کی وفیات کا سلسلہ جاری ہے۔ انھیں جلیل القدر میں سے مشہور عالم دین حضرت مولانا ولی رحمانی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ، جنرل سکریٹری مسلم پرسنل لا بورڈ اور مقبول مفتی حضرت مولانا مفتی عظیم الدین صاحب جامعہ نظامیہ حیدرآباد اس جہان فانی سے کوچ کر گئے، خداوند قدوس ان دونوں بزرگوار کے درجات کو بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر اور امت مسلمہ کو ان کا بدل عطا فرمائے آمین۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی حیدرآباد کے ابتدائی استاد پروفیسر سید محمد ظفر الدین شعبہ ترجمہ ۱۵؍اپریل بروز شنبہ ۵۵ سال کی عمر میں داغ مفارقت دے بیٹھے۔ مرحوم خوش مزاج، ملنسار، با اخلاق تھے ان کا ذہن تعمیری تھا، اللہ رب العزت ان کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان، متعلقین اور شاگردان کو صبر جمیل دے آمین۔ مرحوم شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ اور ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد کے اراکین سے بہت محبت رکھتے تھے اور تا حیات ممکنہ حد تک معاون رہے۔ اللہ آپ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے آمین۔

محمد مجاہد ہلال اعظمی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

تقشف ناپسند تھا: رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے، صحابہؓ میں سے بعض بزرگ میلانِ طبعی یا عیسائی راہبوں کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان کو باز رکھا، بعض صحابہؓ ناداری کی وجہ سے شادی نہیں کر سکتے تھے اور ضبطِ نفس پر قادر نہ تھے، انھوں نے قطع اعضاء کرنا چاہا، آپؐ نے سخت ناراضی ظاہر کی، قدامہؓ بن مظعون ایک اور صحابی آئے کہ ہم میں سے ایک نے ترکِ حیوانات اور دوسرے نے ترکِ نکاح کا عزم کر لیا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ "میں تو دونوں سے متمتع ہوتا ہوں" آپؐ کی مرضی نہ پا کر دونوں صاحب اپنے ارادے سے باز رہے، عرب میں صومِ وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا، یعنی کئی کئی دن متصل روزہ رکھتے تھے، صحابہؓ نے بھی اس کا ارادہ کیا لیکن آپ نے سختی سے روکا، حضرت عبداللہ بن عمرو نہایت مرتاض زاہد تھے، انھوں نے عہد کر لیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزہ رکھیں گے اور رات بھر عبادت کریں گے، آنحضرت ﷺ کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے، عرض کی "ہاں" فرمایا "تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ میں تین دن کے روزے کافی ہیں۔" عبداللہ بن عمرو نے کہا مجھ کو اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا کہ اچھا تیسرے دن، بولے میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں، ارشاد فرمایا کہ ایک دن بیچ دے کر یہی داؤدؑ کا روزہ تھا اور یہی افضل الصیام ہے، انھوں نے عرض کی کہ مجھ کو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا کہ بس اس سے زیادہ بہتر نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ عبداللہؓ بن عمرو کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت ﷺ خود ان کے پاس تشریف لے گئے، انھوں نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپؐ زمین پر بیٹھ گئے اور ان سے کہا کہ تم کو مہینہ میں تین روزے بس نہیں کرتے، عرض کی نہیں، فرمایا پانچ، بولے نہیں، غرض آپؐ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر راضی نہ ہوتے، بالآخر آپؐ نے فرمایا کہ اخیر یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں جوان آدمی ہوں اور اتنا مقدور نہیں کہ نکاح کروں، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت ﷺ چپ رہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے پھر ان ہی الفاظ کا اعادہ کیا، آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپؐ نے فرمایا خدا کا حکم ٹل نہیں سکتا۔

(قبیلہ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واپس گئے، پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا، لیکن اتنے ہی زمانہ میں ان کی شکل وصورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت ﷺ ان کو پہچان نہ سکے، انھوں نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت ﷺ نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے، تمہاری صورت کیوں بگڑ گئی، انھون نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہوں، آپؐ نے فرمایا اپنی جان کو عذاب میں کیوں ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ میں ایک دن کا روزہ کافی ہے، انھوں نے کہا اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہوں، آپؐ نے ایک دن کا اور اضافہ کر دیا، انھوں نے اور اضافہ کی درخواست کی، آپؐ نے تین کر دیئے، ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی، تو آپؐ نے شہرِ حرام کے روزوں کا حکم دیا۔

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

ڈاکٹر محمد منظور عالم

ڈاکٹر محمد منظور عالم (پ: ۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء) چیرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی نے کئی کتابیں سپرد قلم کی ہیں، ان کی ملی و دینی خدمات بھی قابل ذکر ہیں، ان کا ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز نئی دہلی مختلف موضوعات پر سیکڑوں علمی و تحقیقی کتابیں شائع کر چکا ہے، شبلی صدی کی مناسبت سے انھوں نے ڈاکٹر علاء الدین خاں کی مرتبہ کتاب ''بیاد شبلی'' شائع کی، اس کے دیباچہ میں انھوں نے علامہ شبلی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں اور خاص طور پر ان کے اثرات کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''سرسید کے بعد شبلی وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسلام پر لکھی گئی مستشرقین کی کتابوں کا بالاستیعاب مطالعہ کیا، اپنے مضامین اور کتابوں میں ان کے اٹھائے ہوئے شکوک وشبہات کے تحقیقی جوابات دیے اور اسلام کا دفاع کیا، انھوں نے علماء کا ایک ایسا گروہ تیار کیا جو اس نئے زمانے میں اسلام کی ضرورت کو پورا کرتا رہے، شبلی نے موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم لکھ کر شعر و ادب کی نکتہ سنجی اور نقد و تبصرہ کی روایت کو مستحکم کیا، آخر عمر میں انھوں نے سیرۃ النبی لکھنا شروع کیا جسے وہ اپنی زندگی کا کارنامہ اور سرمایہ سعادت سمجھتے تھے''۔ (بیاد شبلی ص ۵)

وہ علامہ شبلی کے علمی کارناموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''شبلی کو مورخ، سیرت نگار اور ادبی نقاد کی حیثیت سے جانا جاتا ہے، بلاشبہ ان میدانوں میں انھوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے وہ الفاروق، المامون، سیرۃ النبیؐ، شعر العجم اور موازنہ انیس و دبیر کی شکل میں اہل علم کے سامنے ہیں۔ تاریخ ہند سے متعلق ان کے تاریخی مضامین کے علاوہ اورنگزیب عالم گیر پر ایک نظر بہت مشہور ہوئی۔ اسی طرح فلسفہ وکلام سے متعلق علم الکلام، الکلام، الغزالی اور سوانح مولانا روم ایسی کتابیں ہیں جو مواد، اسلوب اور اپنے متنوع مضامین کے لحاظ سے مسلم ہندوستان کی علمی، ادبی، فکری وثقافتی وتمدنی تاریخ کا حصہ ہیں''۔ (ایضاً ص ۵۔۶)

علامہ شبلی کی تعلیمی خدمات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''تعلیم کی ترویج واشاعت اور اسلامی فکر کے ارتقا میں وہ ہمہ وقت مشغول رہتے، وہ ہندوستانی مسلمانوں کو تعلیمی پس ماندگی سے

نکالنا چاہتے تھے اور تعلیمی نظام میں ایسی اصلاحات چاہتے تھے جو دورِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہو یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سرسید تحریک سے متاثر ہو کر ۲۰؍ جون ۱۸۸۳ء میں نیشنل اسکول کے نام سے اعظم گڑھ میں ایک ادارہ قائم کیا جو آج شبلی نیشنل کالج کے نام سے معروف و مشہور ہے اور بلا تفریق مذہب و ملت ملک کے باشندوں کی علمی آبیاری کر رہا ہے۔ اعظم گڑھ میں ان کے خواب کی تعبیر دارالمصنفین شبلی اکیڈمی بھی ہے"۔ (ایضاً ص ۶)

شبلی کے اثرات کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"شبلی نے اپنے علمی و تصنیفی کارنامے سے اسلامی علوم وفنون میں نئی روح پھونک دی، اپنی علمی صلاحیت اور کارناموں سے سرسید تحریک کو مزید وسعت دی جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں بر صغیر کے مسلمانوں میں جاری وساری ہے۔ شبلی نے جو تلامذہ تیار کیے انھوں نے بھی تصنیف وتالیف کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دیے، عبدالسلام ندوی، سید سلیمان ندوی، حمید الدین فراہی ابوالکلام آزاد اور عبدالماجد دریابادی کے علاوہ بہت سے ایسے نام ہیں جن کے کاموں کا غلغلہ عالم اسلام میں پھیل گیا، شبلی کے تلمیذ رشید حمیدالدین فراہی قرآنیات کے میدان میں ایک مستقل مکتبہ فکر "نظم قرآن" کے بانی ہیں، اسی طرح مولانا آزاد اور سید سلیمان ندوی کے زریں علمی کارناموں پر پورا عالم اسلام فخر کر سکتا ہے۔

شبلی نے مستشرقین کے الزامات واعتراضات کا علمی انداز میں جواب دے کر ما بعد کے مصنفین کے لئے ایک لائحہ عمل پیش کیا اور یہ بتایا کہ ہر زمانے میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا مقابلہ کس طرح علمی انداز میں کیا جائے اور ان کا جواب کس طرح دیا جائے، بعد کے مصنفین کی تحریروں سے یہ بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انھوں نے شبلی کا اثر قبول کیا ہے اور یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے"۔ (ایضاً ص ۶)

افضل حق قرشی

مجلس ترقی ادب لاہور کے ترجمان صحیفہ کے مدیر افضل حق قرشی (پ: ۱۵؍نومبر ۱۹۴۵ء) ممتاز اہل قلم ہیں۔ ان کے قلم سے کئی کتابیں نکل چکی ہیں۔ نوادر شبلی کے عنوان سے بہت عمدہ مقالا سپرد قلم کیا تھا جو صحیفہ کے شبلی نمبر میں بھی شامل ہے۔ اس سے راقم نے بہت فائدہ اٹھایا اور واقعہ یہ ہے کہ نوادرات شبلی کے مرتب کرنے میں اس سے بڑی مدد ملی۔ صحیفہ شبلی نمبر کا حرفِ چند انھیں کے قلم سے ہے۔ وہ شبلی کی تاریخ نویسی اور تحقیقات کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اپنے عہد کے مسلمان مورخین میں وہ تنہا شخصیت ہیں جو تاریخ نویسی کے بارے میں ایک واضح نقطہ نظر رکھتے تھے، ذوق تحقیق ان کے اندر ایسا رچا بسا تھا جیسے فولاد میں جوہر۔ وہ اردو تحقیق کے بانیوں میں تھے۔ انھوں نے مصادر کے اسناد کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا۔ اصول روایت ودرایت کا استعمال کیا اور پھر نتائج کا استنباط کیا۔ گویا وہ سب کچھ کیا جسے جدید اصطلاح میں سائنسی طریقہ تحقیق

کے نام سے جانا جاتا ہے"۔ (صحیفہ شبلی نمبر ص ۷)

شبلی کے طریقہ استدلال، جدید علم کلام اور سیرۃ النبیؐ کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ:

"سرسید کی رائے میں شبلی نے جو طریقہ استدلال اپنایا اس کی نسبت سے کم سے کم یہ کہنا کچھ مبالغہ نہیں ہے کہ اس سے ہمارے لٹریچر میں فلسفہ مذہب کی بنیاد قائم ہوئی ہے"۔ انھوں نے جدید علم کلام کی تحقیق اور اجتہاد کو ہمیشہ اہمیت اور اولیت دی۔ سیرۃ النبیؐ کی تالیف شبلی کا عظیم الشان کارنامہ ہے، جس کی مثال سارے اسلامی ادب میں نہیں ملتی۔ علامہ اقبال کے نزدیک یہ مولانا مرحوم کا مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے جس کا صلہ دربار نبویؐ سے عطا ہوگا"۔ (ایضا)

قریشی صاحب نے تین جملے اور لکھے ہیں اور یہ جملے ادیب کا نہیں جج کا فیصلہ معلوم ہوتے ہیں۔

"شبلی شاعر بھی تھے اور نقاد بھی، گو ان کی شاعری بھی جواہر ریزوں سے خالی نہیں مگر ان کی فارسی شاعری انھیں ہمیشہ زندہ رکھے گی۔ انھوں نے اردو تنقید کے انداز کو بھی یکسر بدل دیا ہے۔ حالی کے معرکہ آرا مقدمہ شعر وشاعری کو چھوڑ دیں تو اردو میں اور کوئی کتاب نہیں جو شبلی کی کتابوں کے مقابلے میں قابل ذکر بھی سمجھی جائے"۔ (ایضا)

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی

ڈاکٹر فخر الاسلام اعظمی (پ: ۱۵/ اکتوبر ۱۹۳۶ء) ادیب، شاعر اور ناقد کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ان کے قلم سے متعدد اہم کتابیں نکل چکی ہیں، ادب نما، ادبی زاویے، شعور فن، غالب فکر وفن اور اقبال کی نظموں تجزیاتی مطالعہ وغیرہ ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ انھیں عربی، فارسی اور انگریزی کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے، چنانچہ انھوں نے کئی کتابیں ترجمہ کیں، ان میں دکن کی قدیم اور تدبر قرآن وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علمی وتحقیقی مقالات ملک کے مستند رسائل میں شائع ہوئے، انھوں نے کئی سیمناروں کی بھی رونق بڑھائی ہے۔

ان کی تعلیمی اور سماجی خدمات بھی قابل ذکر ہیں مدرسۃ الاصلاح جامعۃ الفلاح کے رکن، معتمد تعلیمات ودیگر عہدوں پر بھی خدمات انجام دیں، بلکہ الحمد للہ اب تک انجام دے رہے ہیں، افادہ عام کے کاموں میں بھی ان کا نمایاں حصہ ہے۔

ڈاکٹر صاحب مدرسۃ الاصلاح کے ممتاز فرزند ہیں، جدید تعلیم لکھنؤ یونیورسٹی اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی، تحصیل علم کے بعد شبلی کالج کے شعبہ عربی میں خدمات انجام دیں، مدرسۃ الاصلاح اور شبلی کالج علامہ شبلی کی یادگاریں ہیں، اس طرح گویا انھوں نے زندگی ذکر وفکر شبلی کے درمیان گذاری، قیام لکھنؤ کے زمانہ میں علامہ شبلی کے شاگرد اور ان کے بڑے شیدائی مولانا عبد الباری ندوی فلسفی کے ساتھ رہے یہی وجہ ہے کہ وہ علامہ شبلی کے افکار وخیالات کو علمی دنیا کے لئے قیمتی علمی وتہذیبی سرمایہ خیال کرتے رہے اور اس کی حفاظت کو اپنی ذمہ داری۔ (شبلی کالج میگزین شبلی نمبر ص ۶)

شبلی کالج کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ان کی ساری توجہ کا مرکز دار المصنفین ہے اب وہ اس کی انتظامیہ کے رکن ہیں اور بلا معاوضہ اور بغیر کسی صلہ وستائش کی تمنا

کے شب و روز اس کی خدمت میں مصروف ہیں اللہ ان کی عمر میں برکت دے۔

ان کا ایک بڑا ادبی کام یہ بھی ہے کہ وہ برسوں شبلی کالج میگزین کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ اور اس کے بڑے اہم شمارے شائع کئے، ۲۰۰۷ء میں اس کا ایک بڑا قیمتی شبلی نمبر شائع کیا، اس کے دیباچہ سے نہ صرف ان کی شبلی سے والہانہ دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ شبلی شناسی، اس کے اثرات اور شبلی کے بارے میں ان کے خیالات کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

بہت پہلے علامہ شبلی کی کتابوں میں لونی لگنے کا اندیشہ ظاہر کیا گیا تھا لیکن خدا کا شکر ہے کہ آج علمی دنیا میں علامہ شبلی کی کتابوں کی جتنی پذیرائی ہورہی ہے اتنی شاید ہی کسی اور مصنف کی کتابوں کی ہوئی ہو، علامہ شبلی کی علمی وادبی خدمات پر مضامین لکھے جارہے ہیں، کتابیں شائع ہورہی ہیں اور ملک کے مختلف حصوں میں سمینار منعقد کئے جارہے ہیں، اس شبلی شناسی کی وجہ غالباً یہ ہے کہ علامہ نے ماضی سے اپنا رشتہ استوار رکھتے، اپنے عہد کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے ساتھ ساتھ آنے والی نسلوں کی راہ سے کانٹا چننے اور تاریک راہوں میں فکر روشن کی قندیلیں روشن کرنے کی کوشش کی"۔ (ایضاص ۵)

شبلی کو اپنے عہد کی ضرورتوں کا شاید سب سے زیادہ احساس تھا، ڈاکٹر صاحب ان کے انداز غور وفکر کو اپنے عہد کی ضرورت بتاتے ہیں انھوں نے شبلی کے طریقہ کار کی اہمیت بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ

"آج جب کہ اسلام کی روشن شبیہ کو دھندلا کرنے اور اس کی تعلیمات کو غلط انداز میں پیش کئے جانے کی منصوبہ بند سازشیں ہورہی ہیں، ایسی صورت حال میں علامہ شبلی کی علمی وفکری خدمات کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ علامہ شبلی نے مستشرقین کے الزامات واعتراضات کا علمی انداز میں جواب دے کر ان خطوط پر کام کرنے والوں کے لئے ایک لائحہ عمل پیش کردیا ہے کہ ہر زمانے میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا کس طرح جواب دیا جائے"۔ (ایضا)

ڈاکٹر صاحب اپنے گہرے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ موجودہ زمانہ کی علمی شناخت دراصل شبلی کی شناخت سے وابستہ ہے، وہ اثرات شبلی کے ذکر میں لکھتے ہیں:

"مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مودودی، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تحریروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بعد میں آنے والے اصحاب فکر ونظر نے علامہ کی تحریروں سے کتنا زیادہ اثر قبول کیا ہے۔ موجودہ زمانہ میں سنجیدہ اہل قلم کی تحریروں میں بھی شبلی کا رنگ صاف جھلکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ موجودہ زمانہ میں علمی شناخت شبلی کی شناخت سے جڑی ہوئی ہے"۔ (ایضاص ۵-۶)

ڈاکٹر صاحب نے علامہ کے تنقیدی اور تعلیمی افکار پر بھی کئی مقالے لکھے ہیں اور حق تو یہ ہے کہ ان میں مطالعہ وتنقید سے زیادہ روح شبلی جھلکتی ہے۔

مولانا حبیب الرحمن۔ حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

دنیا میں ہر شخص سامان و اسباب و ذرائع ہی سے رزق حاصل کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ لیکن آخرت کے ابدی گھاٹے سے بچنے کے لئے ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے ہدایت کے سامان و ذرائع (قرآن، سنت رسول ؐ اسوہ صحابہؓ) سے لاعلمی و غفلت کی بنا پر شیطان نے ایمان والوں کو جن غلط وہموں میں مبتلا کردیا ہے ان میں سے چند پیش ہیں:

۱) أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ (النساء۵۱) ''کیا تم نے ان لوگوں نہیں دیکھا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا، اور وہ ہیں جبت اور شیطان کو مانتے ہیں'' جبت کے اصلی معنی بے حقیقت، بے اصل اور بے فائدہ چیز کے ہیں۔ اسلام کی زبان میں جادو، کہانت (جیوتش)، فال گیری، ٹونے ٹوٹکے، شگون، مہورت اور تمام دوسری وہمی و خیالی باتوں کو ''جبت'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے ''جانوروں کی آوازوں اور زمین پر جانوروں کے نشانات قدم شگون نکالنا وغیرہ'' (تفہیم ج ۱: سورہ النساء۸۱)

۲) جھاڑ پھونک کو بے فائدہ کہا گیا ہے، جیسا ارشاد ہے وَقِيلَ مَنْ رَاقٍ (القیامۃ) ''اور کہا جاتا ہے کہ ہے کوئی جھاڑنے، پھونکنے والا بھی'' اللہ کے رسول ﷺ نے تعویذ اور جھاڑ پھونک سے بچنے والوں کو بلا حساب جنت میں داخل ہونے کی بشارت دی ہے (بخاری، کتاب الطب)

تعویذ

جادو، عمل عملیات سلفی ہو یا علوی، عباداتی ہوں یا ساحرانہ کو محض زبان، الفاظ اور ناموں کی بنا پر ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز قرار دینا تری سادہ لوحی ہے۔ کیونکہ اس سب میں ایک ہی تصور ہی کار ہے یہ چیزیں اللہ کے مقررہ نظام اسباب کے خلاف و متوازی بلا اسباب ظاہری کے پوشیدہ، غیبی اور غیر مرئی طور پر اثر کرتی ہیں۔ اسلئے اللہ کے رسول ﷺ نے اَلتَّمَائِمُ شِرْكٌ (ابوداؤد) ''ہر قسم کا تعویذ شرک ہے''

فرمایا ہے۔ جس سے قرآن کی تعویذ بھی شرک قرار پاتی ہے کیونکہ یہ عقیدہ من گھڑت اور انکل پچو ہونے کے علاوہ اس سے بندے کا تعلق رب سے قطعی ٹوٹ جاتا ہے، اس لئے یہ شرک ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ بندے اور رب کے راست تعلق میں کمزوری یا خرابی پیدا کرنے والی ہر چیز غلط و جھوٹ ہے چاہے وہ معوذتین کا دم ہی کیوں نہ ہو۔ اور نبی ﷺ نے فال کھلوانے اور فال کی باتوں کو سچ سمجھنے والوں کا تعلق قرآن سے کٹ جانے کی بات بھی فرمائی۔ (ابوداؤد) آج تک کوئی ایسا دم، گنڈا، تعویذ، عمل دریافت نہ ہوسکا

جس سے بلا اسباب کے جان و مال اور چیزوں کی ہو سکے یا بغیر کھائے پیئے کہ پیٹ بھر جائے۔

بھانامتی سے بینک میں نوٹ اور ملز میں کپڑے نہیں چلتے۔ شہنشاہ جادوگر بغیر ٹکٹ کے اپنا شو نہیں بتاتے۔ اپنی بیماری کا علاج عمل' عملیات سے کرنے کے بجائے حکیم ہی سے کرواتے ہیں۔ کوئی بھی قتل کے بجائے تعویذ یا دم سے کام نہیں لیتا۔ ڈاکو تو صرف جان و مال کا نقصان کرتے ہیں، لیکن عامل' نجلہ و نقش بیچنے والے' لوگوں ایمان غارت کر کے ابدی گھاٹا پہنچاتے ہیں، حالانکہ ابدی گھاٹا پہنچانا تو صرف شیطان ہی کا کام ہے۔

شیطان

شیطان یعنی''جن'' كَانَ مِنَ الْجِنِّ (الکہف ۵۰) ''وہ جنات میں سے تھا'' اور جن کو آدم سے پہلے آگ سے پیدا کیا (الحجر ۲۷) اور قرآن سے یہ ثابت ہے کہ جن انسانوں کو جسمانی و مالی نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان' نہ شکل بدل سکتا ہے نہ روپ نہ بھیس' نہ اپنی آواز ہی سنا سکتا ہے نہ اپنے آپ کو دکھا سکتا ہے۔ چنانچہ نبی ﷺ بھی جنوں کی نہ آواز سن سکے اور نہ ہی ان کو دیکھ سکے وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ. فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا. فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ''اور جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے، غرض جب وہ لوگ قریب آپہنچے کہنے لگے کہ خاموش رہو، پھر جب قرآن پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر پہنچانے کے واسطے واپس گئے۔ قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا (الجن) '' آپ کہیئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا، پھر انہوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے''

ان دونوں آیات سے ثابت ہے کہ جنوں کے قرآن سننے کا علم نبی ﷺ کو خود نہیں ہوا، بلکہ اللہ نے وحی کے ذریعہ بتایا ہے۔ کیونکہ اس معاملے میں اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (اعراف ۲۷) ''یقیناً وہ (شیطان' جن) اور اسکا کنبہ ایسی جگہ سے تم کو دیکھ لیتا ہے، تم اس کو نہیں دیکھ سکتے'' یعنی نبی ﷺ بھی نہیں دیکھ سکے۔

البتہ سلیمانؑ کے متعلق یہ بیان ہوا ہے کہ شیطان اور جن آپ کے حکم کی تعمیل کیا کرتے تھے (الانبیاء ۸۲، النمل ۱۷، ص ۳۷)

قرآن کو وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ (یوسف ۱۱۱) ''ہر چیز کی تفصیل فرمایا گیا ہے''۔ جس میں جنوں کی جانب سے انسانون کو مالی وجانی نقصان ونفع پہنچانے کی بات نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن میں بھی یہی بات بتائی گئی ہے کہ شیطان یا جن' بنی آدم کے سینوں میں صرف وسوسہ ڈال سکتے ہیں جو سورہ الناس سے ثابت ہے۔ یعنی انسانوں کو نہ جسمانی نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ مالی، نہ وہ اپنی آواز سنا سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے آپ کو دکھا سکتے ہیں اور نہ کوئی روپ اختیار کر سکتے ہیں اور نہ بھیس بدل سکتے ہیں اور نہ کسی انسان پر وارد ہو سکتے ہیں۔

مفتی ولی اللہ مجید قاسمی۔ فتح پور مئو (اتر پردیش)

مہمان کی آمد

معزز مہمان کی آمد ہے، خیر و برکت کا چاند طلوع ہو رہا ہے، داد و دہش اور بخشش کا مہینہ آرہا ہے، دعا، توبہ، انابت اور تلاوت کا موسم بہار آرہا ہے، جنت کو سنوارا جارہا ہے اور اس کے تمام دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جہنم سے نجات کا پروانہ دیا جارہا ہے اور اس کے تمام دروازے بند کردیئے گئے ہیں۔ تم بھی اپنے دل کا دروازہ کھول دو اور ہنستے، مسکراتے اس مہمان کے استقبال کے لئے نکل پڑو، سستی اور کاہلی کے لحاف سے باہر آجاؤ اور توبہ واستغفار کے ذریعے گناہوں سے غسل کرلو، شدت سے اس کا انتظار کرو اور اس کی راہ میں پلکیں بچھادو۔ باہر نکل کر دیکھو فضاء میں کس قدر پاکیزگی چھائی ہوئی ہے، ہر طرف اخلاص اور روحانیت کی خوشبو پھیلی ہوئی ہے اور رنگ و نور کی بارش ہورہی ہے ہر چیز دھلی اور نکھری ہوئی ہے، عبادت و اطاعت کی باد بہاری چل رہی ہے، اور اللہ کی طرف سے پکارنے والا پکار رہا ہے: اے اچھائی کے متوالے! قدم آگے بڑھاؤ، اور اے برائی کے طلب گار! اپنے قدم روک لے۔ اس لئے دل کے دریچے کھول دو، غفلت اور کاہلی کا شکار مت بنو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس عظیم نعمت سے محروم رہ جاؤ اور اس سے بڑھ کر کوئی محرومی نہ ہوگی۔

رمضان کی آمد کی اطلاع سے تنگ دلی اور گھبراہٹ کا شکار نہیں ہونا چاہئے بلکہ خوشی اور فرحت محسوس کرنا چاہیے اور اس بات کی خواہش اور دعا کی جائے کہ ہمیں یہ مبارک مہینہ نصیب ہوجائے اور اس وقت ہم صحت و عافیت کے ساتھ رہیں تاکہ چستی اور نشاط کے ساتھ روزہ رکھ سکیں اور اس کے تقاضے پر عمل کرسکیں، حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رجب کا چاند دیکھ کر یہ دعا کرتے: اللھم بارک لنا فی رجب و شعبان و بلغنا رمضان۔ (احمد، طبرانی)

اور سلف صالح چھ ماہ تک دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں رمضان تک زندگی نصیب فرمادے۔ اور رمضان بعد چھ ماہ تک دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمارے رمضان کو قبول فرمالے۔

رمضان کا چاند دیکھ کر اللہ کی حمد و ثناء اور شکر کرنا چاہئے کہ ہمیں یہ سنہرا موقع ملا اور ہمیں عبادت و اطاعت کے لائق سمجھا گیا کیونکہ بندگی کی توفیق ایک گرانقدر انعام اور بہت بڑا شرف و اعزاز ہے، اس پر اللہ کی جتنی بھی حمد و ثناء کی جائے، کبریائی و عظمت بیان کی جائے، اور سجدہ شکر بجالایا جائے کم ہے، لتکبروا اللہ علی ما ھداکم ولعلکم تشکرون۔

رمضان کی آمد پر خوشی اور مسرت کا اظہار کرنا اور دوسروں کو اس خوشخبری میں شریک کرنا چاہئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ میں رمضان کی خوشخبری سنایا کرتے تھے: رمضان کا مبارک مہینہ تمہارے پاس آگیا ہے، اللہ تعالی نے تم پر اس مہینے کا روزہ فرض کیا ہے، اور اس ماہ میں

آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور سرکش شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس میں ایک ایسی رات رکھی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اور جو شخص اس رات کی برکت اور خیر سے محروم رہا وہی حقیقی بدقسمت ہے ۔ (الترغیب والترہیب للمنذری)

حقیقت یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر مسرت و فرحت کی بات کیا ہوگی کہ نیکیوں کا موسم آ گیا ہے جس کی آمد کی راہ میں صالحین کی نگاہیں بچھی ہوئی تھیں اور دل مشتاق و بیتاب تھا۔ رحمت کی باد بہاری چل رہی ہے، کرم و نوازش کی بارش ہو رہی ہے، آسمان اور جنت کے دروازے کھول دیے گئے ہیں جس کی وجہ سے نیکی کی راہ میں آسانی پیدا ہوگئی ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں اور شیطان کو جکڑ دیا گیا ہے جس کی وجہ سے عبادت کے راستے کی ایک بہت بڑی رکاوٹ دور ہوگئی ہے۔

غور کرو کہ بہت سے لوگ پچھلے رمضان میں تمہارے ساتھ تھے لیکن اب وہ تم سے بچھڑ کر آخرت کے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں اور وہ امسال اس شرف سے محروم رہے تمہیں یہ شرف اور سنہرا موقع ملا ہے اس لئے اس وقت کی قدر و قیمت پہچانو اور اللہ کا شکر ادا کرو اور کوشش کرو کہ تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جاؤ جنہیں جہنم سے نجات کا پروانہ دیا جائے گا۔ رمضان کے بابرکت مہینے سے فائدہ اٹھانے کے لئے منصوبہ بندی اور پلاننگ ضروری ہے، افسوس یہ ہے کہ لوگ دنیاوی معاملات میں باریکی کے ساتھ پلاننگ کرتے ہیں اور نفع نقصان کے ہر پہلو پر دھیان دیتے ہیں مگر آخرت کے معاملے میں دنیاداروں کو چھوڑ؟ عام طور پر دیندار طبقے کے پاس بھی کوئی پلان اور منصوبہ نہیں ہوتا ہے، بہت کم لوگ ہیں جو اس کے لئے منصوبہ بناتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ عبادت اور نیک عمل کے لئے پختہ ارادہ اور ارادے کے مطابق عمل کی کوشش ضروری ہے، مخلصانہ ارادے کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے اور راستے کی مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہے یہ مردوں کی شمشیریں

اسی کے ساتھ روزہ سے متعلق مسائل کو جاننے کی کوشش ہونی چاہئے، اس لئے کہ فرائض کے معاملے میں ناواقفیت اور لاعلمی عذر نہیں ہے، لہذا روزہ کے صحیح اور اللہ کی نگاہ میں لائق قبول ہونے کے لئے اس سے متعلق احکام کا جاننا ضروری ہے۔

آؤ! اس مہینے سے نیکی اور پرہیزگاری کے ایک نئے باب کا افتتاح کریں اور ایک نئی اور تابناک زندگی کی ابتدا کریں، اس طور پر کہ توبہ و استغفار کے ذریعے اپنے پروردگار کی طرف واپس آ جائیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کا حکم دیا ہے خود اس کے پابند اور دوسروں کو اس تک لانے والے اور جن چیزوں سے روکا ہے اس سے دور رہنے اور دوسروں کو منع کرنے والے بن جائیں۔ والدین، بیوی، بچوں، رشتے داروں اور عام لوگوں سے اپنے تعلقات ٹھیک کر لیں، ان کے حقوق ادا کریں، لڑائی، جھگڑے اور اختلافات کو ختم کر دیں، حسد، تکبر، کینہ، کپٹ اور بغض سے اپنے سینے کو پاک و صاف کر لیں۔ تاکہ ہم اللہ کی رحمت کے مستحق ہو سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ہمیشہ نیک کام کرتے رہو اور

استاذ الاساتذہ حضرت عبدالرحمن جامیؒ

رمضان کے روزے

پیاسوں کی حسیں پیاس ہیں رمضان کے روزے
نیکوں کو بڑے راس ہیں رمضان کے روزے

بھوکے رہیں پیاسے رہیں مقصد یہ نہیں ہے
قربانی کا احساس ہیں رمضان کے روزے

دوزخ کی اسے آگ جلا ہی نہیں سکتی
جس شخص کے بھی پاس ہیں رمضان کے روزے

بخشائیں گے مومن کو قیامت میں یقیناً
بخشش کی بڑی آس ہیں رمضان کے روزے

اللہ کا وعدہ ہے تو جنت ہی ملے گی
فردوس کی بوباس ہیں رمضان کے روزے

بد بخت ہیں وہ لوگ جو روزے نہیں رکھتے
بھوکوں کو کہاں راس ہیں رمضان کے روزے

مفلس کے لئے اس سے بڑی ہے کوئی دولت
یہ گوہر و الماس ہیں رمضان کے روزے

جنت میں بلا کھٹکے پہنچ جائے گا جامیؔ
پروانۂ انفاس ہیں رمضان کے روزے

(۱) فردوس: جنت
(۲) گوہر والماس: ہیرے جواہرات
(۳) پروانۂ انفاس: مراد جنت کا ویزا

اپنے آپ کو اللہ کی رحمت کی ہواؤں کے لئے پیش کردو، کیونکہ اللہ کی رحمت کی ہواؤں کے کچھ خاص مواقع ہوتے ہیں اور اللہ تعالی جسے چاہتے اسے اس کا مستحق بنا دیتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے رہا کرو کہ وہ تمہاری خامیوں اور عیوب پر پردہ ڈال دیں اور تمہارے خوف اور بے اطمینانی کو ختم کردیں۔ (سلسلۃ الصحیحۃ: 189)

قاضی انصار۔ٹیچر کالونی، کھنڈوہ ایم پی

غزلیں

ہم نے پلکوں پہ جو سنوارے ہیں
چند ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں

روز امید آرزو خواہش
بے سہاروں کے بھی سہارے ہیں

ایک مصرع میں دھڑکنیں دل کی
ایک مصرع میں ماہ پارے ہیں

لوگ دیں گے تمہیں ہماری مثال
ہم نے یوں زندگی گذارے ہیں

چند لفظوں میں کیا کہوں انصار
کچھ کنائے ہیں کچھ اشارے ہیں

آج سے تم بھی تکلیف گوارا کرنا
اپنے ہی نام سے اب مجھ کو پکارا کرنا

غالباً کیا کہ یقیناً ہے یہی اپنا مزاج
کیوں کسی شخص کا احسان گوارا کرنا

زندگی میں کوئی ترتیب وتناسب ہی نہیں
سوچتا روز ہوں کس طرح گذارا کرنا

میرے اشعار کسی شوخ کی تحریر نہیں
چند الفاظ میں جذبات ابھارا کرنا

دشمنی ان سے غلط دوستی اچھی بھی نہیں
ایسے لوگوں سے اے انصارؔ کنارا کرنا

مفتی امانت علی قاسمی۔ استاذ: دارالعلوم وقف دیوبند

فلسفہ زکوۃ ابن عربی کے افکار کی روشنی میں

قرآن نے مومن کو صدقہ کرنے اور فقیروں کے ساتھ احسان کرنے پر ابھارا ہے، مالداروں کے لیے اپنے مال میں سے ایک حصے کو فقیروں پر خرچ کرنا نماز کی طرح فرض ہے۔ اور جس طرح نماز کے ذریعہ جسم اور روح کی پاکیزگی ہوتی ہے، اسی طرح زکوۃ کے ذریعہ نفس کی انانیت بخل وغیرہ سے پاکیزگی ہوتی ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالی مال کو بھی پاک کرتے ہیں ابن عربی کا خیال ہے کہ مال اللہ کا ہے انسان صرف نائب ہے لہذا مال کو اپنی ذات تک مخصوص رکھنا اللہ تعالی کی کھلی نافرمانی ہے۔ ابن عربی کا نظریہ ہے کہ مال اور نفس کے درمیان خاص مناسبت ہے جس طرح اللہ تعالی نے زکوۃ کے ذریعہ مال کو پاک کرنے کا حکم دیا ہے اسی طرح نفس کی زکوۃ کا بھی حکم دیا ہے ابن عربی فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: اللہ تعالی نے مال کی زکوۃ کو فرض کیا ہے اور بندے سے یہ کہا کہ جس قدر مال میں نے تمہارے اوپر فرض کیا ہے اس کے تم مالک نہیں ہو؛ بلکہ تم اس کے امین ہو اس کے بعد اللہ تعالی نے نفس کو حکم میں مال کے درجہ میں رکھا ہے؛ چنانچہ جس طرح مال کی زکوۃ کا حکم دیا ہے اسی طرح نفس کے زکوۃ کو ضروری قرار دیتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: قد افلح من زکھا (سورۃ الشمس:۹) جس طرح وہ شخص کامیاب ہو گیا جس نے اپنے مال کی زکوۃ ادا کی ہے اسی طرح وہ شخص بھی کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کی زکوۃ ادا کی۔ اسی طرح اللہ تعالی نے ''نفس'' کو بیع وشراء میں بھی مال کے ساتھ شامل کیا ہے؛ چنانچہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم و اموالھم (سورۃ التوبۃ:۱۱۱) (اللہ تعالی نے مومنین کے نفس اور مالوں کو خرید لیا ہے) اس آیت میں اللہ تعالی نے نفس اور مال دونوں کے خرید وفروخت کو بیان کیا ہے۔ اس آیت سے ایک فقہی مسئلہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح مال کی زکوۃ ہے، اسی طرح نفس کی بھی زکوۃ ہے۔ مال کی زکوۃ تو ہمیں معلوم ہے البتہ نفس کی زکوۃ کی تفصیل یہ ہے کہ جس طرح زید کا وہ مال جو زکوۃ کے لیے متعین ہو چکا ہے وہ زید کا مال نہیں ہے؛ بلکہ وہ اس کے پاس امانت ہے، اسی طرح وہ وجود جس سے نفس متصف ہے وہ اس کا نہیں ہے؛ بلکہ وہ اللہ تعالی کا ہے، پس بندے سے مطالبہ یہ ہے جس وجود کے ساتھ آپ متصف ہیں یہ آپ کا نہیں؛ بلکہ اللہ کا ہے جو اللہ نے آپ کو نواز رکھا ہے پس اس وجود کو آپ اللہ کے حوالے کر دیجیے اور آپ اپنی جگہ پر باقی رہیے، اس سے مت ہٹیے؛ اس لیے کہ آپ کے اندر جو کچھ بھی ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی؛ لیکن جب آپ ایسا کر لیں گے تو آپ لیے وہ ثواب ہے جو عارفین باللہ کا ثواب ہے اور آپ اس سے ذریعہ اس مقام کو پالیں گے جس کی قدر اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں ہے اور یہی وہ فلاح اور بقاء ہے جس سے آپ کا وجود باقی رہے گا جو کبھی ختم نہیں ہوگا اور قرآن کریم کی آیت قد افلح من زکھا کا یہی مطلب

ہے۔(ابن عربی ،ابوبکر محی الدین محمد بن علی ، الفتوحات المکیہ ، لبنان ، دار الکتب العلمیہ ، ۲۰۱۱ء ج ۲ ص ۲۵۴)

زکوۃ کے سلسلے میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے :

واقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ و اقرضوا اللہ قرضا حسنا (سورۃ المزمل:۲۰) نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا اور اللہ تعالی کو قرض دو بہترین قرض ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم زکوۃ ادا کرو جو کہ اللہ کے پاس قرض ہے جسے اللہ تعالی کئی گنا کر کے تمہیں واپس کر دے گا۔ جیسے حدیث میں ہے کہ کل قیامت میں اللہ تعالی بندے سے فرمائے گا میں بھوکا تھا تم نے کھانا نہیں کھلایا تو بندہ کہے گا اے رب! میں آپ کو کیسے کھلا سکتا تھا آپ تو رب العالمین ہیں؟ تو اللہ تعالی فرمائے گا کہ فلاں بندے نے تم سے کھانا مانگا لیکن تم نے اسے نہیں کھلایا اگر تو اسے کھلا دیتا تو اسے میرے پاس پاتا (صحیح مسلم باب فضل عیادۃ المریض ۴/۱۹۹۰، حدیث نمبر: ۶۹۲۵) یعنی میں تمہیں اس سے بہتر شکل میں لوٹا دیتا، قرآن میں دوسری جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے، وما تقدموا لانفسکم من خیر تجدوہ عند اللہ (سورۃ البقرۃ:۱۱۰) جو کچھ تم "خیر" یعنی مال آگے بھیجتے ہو اسے اللہ کے پاس پالوگے۔ خیر کا اطلاق اگر چہ ہر طرح کی نیکی پر ہوتا ہے لیکن یہاں اللہ تعالی نے مال کے لیے خیر کا لفظ استعمال فرمایا ہے، ایک جگہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے : اذا مسہ الخیر منوعا (سورۃ المعارج:۲۱) جو انسان کو مال ملتا ہے تو اسے روکنے والا بن جاتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی کا ارشاد ہے: وانہ لحب الخیر لشدید (سورۃ العادیات: ۸) انسان کے اندر مال کی محبت بہت زیادہ ہے، معلوم ہوا کہ مال کی محبت انسان کے اندر بہت زیادہ ہوتی ہے اس کا خرچ کرنا انسان کے لیے دشوار ہوتا ہے؛ اس لیے اللہ تعالی نے خرچ کرنے سے مانوس بنانے کے لیے اپنے نبی کی زبانی کہلوایا: ان الصدقۃ تقع بید الرحمن فیربیھا کما یربی احدکم فلوہ أو فصیلہ (التمہید لمافی الموطا من المعانی و الاسانید، ۲۳/۴/۱۷۱) صدقہ رحمن کے ہاتھ میں جاتا ہے اور رحمن اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی بچھڑے یا اونٹ کے بچے کی پرورش کرتا ہے۔ اس حدیث کے ذریعہ اللہ تعالی نے دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک یہ کہ سائل اور فقیر یہ اللہ کے ہاتھ سے لیتا ہے ،صدقہ کرنے والے کے ہاتھ سے نہیں لیتا ہے، کیوں کہ حضور نے فرمایا کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے صدقہ اللہ تعالی کے ہاتھ میں جاتا ہے، اس لیے سائل پر اللہ کا احسان ہے، صدقہ کرنے والے کا احسان نہیں ہے؛ کیوں کہ اللہ تعالی نے بندے سے قرض طلب کیا ہے اور فقیر اس قرض کے طلب کرنے میں اللہ کا ترجمان ہے، اس طرح اگر سائل مومن ہے تو اسے صدقہ کرنے والے صدقہ کا مال لینے میں شرمندگی نہیں ہوگی کیوں کہ اس نے اللہ سے لیا ہے، صدقہ کرنے والے سے نہیں صدقہ کرنے والے تو اللہ تعالی کو قرض دیا ہے۔

دوسرا اشارہ اس میں یہ ہے کہ صدقہ اور زکوۃ ایک ایسی جگہ میں بطور امانت کے پہونچ گیا ہے جہاں اس میں اضافہ ہوتا رہے گا اس سے خرچ کرنے میں انسان میں سخاوت پیدا ہوگی اور انسان نفس کے بخل سے اپنے آپ کو بچا لے گا؛ اس لیے کہ انسان کی طبیعت میں تجارت سے نفع حاصل کرنا اور مال کو بڑھانا ودیعت ہے۔ انسان میں طبعی

طور پر مال کی حرص اور مال بڑھانے کا شوق ہے، چنانچہ تاجر مال بڑھانے کے لیے دور دراز کا سفر کرتا ہے، اور نفع اور مال کے بڑھنے کی امید پر مال خرچ کرتا ہے، اسی لیے مضاربت کا معاملہ کر کے کسی کو مال دیتا ہے تاکہ وہ نصف نفع یا دو تہائی نفع پر کاروبار کرے اور جو نفع ہو وہ دونوں کے درمیان تقسیم ہو اس طرح مضاربت کا معاملہ کر کے بھی انسان خوش ہوتا ہے کہ میرا مال بڑھے گا۔ قرآن میں اللہ تعالی نے صدقہ کو تجارت قرار دیا ہے اور بتلایا کہ اس سے مال میں اضافہ ہوگا جس طرح تجارت کرنے سے مال میں اضافہ ہوتا ہے یہ ترغیب کے لیے تاکہ انسان میں مال خرچ کرنے فطری طبیعت پیدا ہو۔ زکوۃ نکالنا یہ در حقیقت اللہ کے ساتھ قرض کا معاملہ کرنا ہے، عربی میں مضاربت کے لیے قرض اور مقارضۃ کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، اور یہ مضاربت اور قرض اللہ کے ساتھ ہے جس میں نصف یا دو تہائی نفع نہیں؛ بلکہ مکمل نفع ملے گا اور مضاربت میں انسان دے کر خوش ہوتا ہے کہ نفع ملے گا جب کہ بسا اوقات نقصان بھی ہو جاتا ہے اس کے باوجود انسان مضاربت کا معاملہ کرنے میں بالکل اندھا ہوتا ہے جب کہ اللہ کے ساتھ مضاربت اور قرض کے معاملہ میں نقصان کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔ اس تصور سے انسان کے لیے زکوۃ نکالنا یا دین کے کاموں میں خرچ کرنا آسان ہو جائے گا اور انسان زکوۃ نکالنے اور دوسرے دینی کاموں میں خیرات کرنے میں جلدی کرے گا جس طرح دنیوی نفع کی چیز خریدنے میں جلدی کرتا ہے اور اس کے لیے سفر بھی کرتا ہے، لیکن اگر اللہ تعالی کی اس صراحت کے باوجود کوئی شخص زکوۃ نہیں نکالتا ہے تو یہ اس ایمان کی کمزوری کی بات ہے کہ ایک عام آدمی اگر کہے کہ آپ مجھے ایک لاکھ روپیہ دیں میں کاروبار کر کے اس کو بڑھا کر دوں گا تو انسان اس کے لیے فورا تیار ہو جائے لیکن اللہ تعالی کہے کہ زکوۃ دو میں تمہارے مال کو کئی گنا بڑھا دوں گا تو انسان کو اللہ کی بات پر اعتماد اور بھروسہ نہ ہو۔

حدیث میں ہے کہ قرآن کی آیت وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۃ التوبۃ:۷۵) اگر اللہ تعالی نے مجھے اپنے فضل سے دیا تو میں ضرور خیرات کروں گا اور نیک لوگوں میں شامل ہو جاؤں گا) یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی، ثعلبہ بن حاطب حضور کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کہ آپ دعا کریں میں مال دار ہو جاؤں آپ نے فرمایا تم کو تو میرا طریقہ پسند نہیں ہے تو میں تمہارے لیے کیوں دعا کروں وہ واپس چلا گیا پھر دوبارہ آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ آپ میرے لیے دعا کریں میں مال دار ہو جاؤں اگر مجھے مال مل گیا تو میں ہر حق والے کا حق اس کو پہونچاؤں گا رسول اللہ ﷺ نے دعا کردی جس کا اثر یہ ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پناہ زیادتی شروع ہوگئی یہاں تک کہ مدینہ کی جگہ اس کے لیے تنگ ہوگئی اور وہ مدینہ سے دور کسی علاقہ میں آباد ہو گیا پھر جب صدقہ کا حکم نازل ہوا اور حضور ﷺ نے اپنا قاصد بھیجا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جزیہ کی ایک قسم ہے میں اس میں غور کروں گا اور صدقہ نہیں دیا اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ (سورۃ التوبۃ:) پھر جب اللہ نے ان کو نوازا تو بخل کرنے لگے اور منہ موڑ کر چل دیے) جب ان کو اس آیت کا علم ہوا تو اپنی زکوۃ لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ ﷺ نے لینے سے انکار کر دیا۔

ساجد حسین ندوی شعبہ اردو، دی نیو کالج، چنئی

فروغِ اردو اور اسلام

زبان کسی بھی قوم کی تہذیب وثقافت کی پہچان ہوتی ہے اور اس کی بقا زبان وادب کی عروج وارتقا پرمبنی ہوتی ہے۔ علاقائی تناظر میں برصغیر ہندوپاک کے مسلمان مختلف زبانیں بولتے ہیں، تاہم ان زبانوں کے علاوہ وہ اردو سے بھی آگاہ ہونے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ کیوں کہ اردو سے ان کا ایک تہذیبی وثقافتی رشتہ ہے اور مذہبی بھی۔ کیوں کہ اسلامیات پر اردو میں بے شمار کتابیں لکھی گئیں۔ گویا مسلمان اردو نہ صرف ایک زبان کے طور پر سیکھتے ہیں بلکہ اسلامی حوالوں اور ذخیروں سے مستفید ہونا بھی ان کے پیش نظر رہتا ہے۔

فروغ اردو کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام اور ان کے متعلقین نے اس کی نشرو اشاعت میں ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ اس کے علاوہ غیر ملکی مسلم تاجروں نے اپنی تجارت کے فروغ کے لیے اس زبان کا استعمال شروع کیا، جو ہندوستان کی ملی جلی تہذیب کے تصادم سے سامنے آرہی تھی۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے کہ ابتدا سے ہی مسلم تاجروں اور صوفیا نے اردو کو فروغ دینا بلکہ اس کو متاثر کرنا شروع کردیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اردو پر اسلامی اثرات بہت واضح طور پر دکھائی دیتے ہیں اور اس طرح اس میں اسلامیات کا ذخیرہ بھی جمع ہوتا چلا گیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ صوفیا اور تاجروں کے تعامل سے اردو کو فروغ نصیب ہوا۔ صوفیا کے بعد علما وصلحا نے اردو میں زبردست طبع آزمائی کی اور اس طرح اردو اور اسلامی ذخیرے کا سلسلہ دراز ہونے لگا۔

اردو کی زبان کی تعمیر وترقی کے بارے میں مؤرخ ہند حضرت علامہ سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ "الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند" لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کی اصل زبان سنسکرت ہے اور ہندوؤں کے عقیدہ کے مطابق اس زبان میں ان کی چار آسمانی مقدس کتابیں ہیں، لیکن روزمرہ اور عام بول چال کی زبان دوسری ہے، جو ہندوستان کے بڑے حصے میں بولی جاتی ہے، اس کو بھاشا زبان کہتے ہیں، جب ہندوستان میں اسلام کی اشاعت ہوئی، اور عرب وعجم سے یہاں مسلمانوں کی آمد ہوئی تو عربی، فارسی، ترکی اور ہندی زبانوں کے اختلاط وآمیزش سے ایک نئی زبان پیدا ہوئی جسے اردو کہا جاتا ہے۔ یہ زبان بتدریج ترقی کرتی رہی یہاں تک کہ شاہجہاں کے زمانہ میں یہ فصاحت وبلاغت کے اچھے معیار پر پہنچ گئی۔" [1]

اس اقتباس سے اندازہ کرنا آسان ہے کہ ہندوستان میں ایک زبان تشکیل پارہی تھی۔ اس زمانے میں مسلمانوں کی آمد ہورہی تھی۔ ظاہر آنے والوں نے اس نئی زبان میں تعامل کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ اردو پر آنے والوں کے اثرات مرتب ہونے لگے۔ نئے الفاظ اس نئی زبان میں جگہ پانے لگے۔ اس طرح اس نئی زبان کا دائرہ وسیع ہوا اور اس میں پر اسلامی اثرات بھی مرتب ہونے لگے۔ ظاہر ہے مفرس اور معرب بہت سے ایسے الفاظ ہیں جو آج بھی مستعمل ہیں۔ یہاں تک کہ بہت سے اردو کے قواعد عربی قواعد کے متوازی نظر

آتے ہیں اور عربی کا اسلامیات سے گہرا رشتہ ہے۔ گویا باہر سے آنے والے مسلم تاجروں نے اپنے الفاظ سے اردو کو متاثر کیا ہے۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے علما نے اس زبان میں تصنیفی اور تالیفی کام شروع کر دیا۔ مولانا محمد حسین آزاد "آب حیات" میں اردو کی ابتدائی تاریخ بیان کرنے بعد لکھتے ہیں:

"عجیب لطف یہ ہے کہ زبان اردو کی عام فہمی دیکھ کر مذہب نے بھی اپنی برکت کا ہاتھ اس کے سر پر رکھا یعنی ۱۸۰۷ء/۱۲۲۲ھ میں مولوی شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا، بعد اس کے مولوی اسماعیل صاحب نے بھی بعض رسالے عام اہل اسلام کی فہمائش کے لئے اردو میں لکھے۔" ۲؎

گویا تاریخی شواہد موجود ہیں کہ اردو کی اولین نثری کتابوں میں قرآن کے مذکورہ ترجمے کی اہمیت ہے۔ کیوں کہ فورٹ ولیم کالج کے قیام اور "باغ و بہار" سے بہت پہلے سے ہی مذہبی علماء نے اس زبان میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اس لیے ہم یہ کہہ سکتے کہ نہ صرف فروغ اردو میں اسلامیات کا عمل دخل ہے بلکہ تشکیل اردو میں بھی مذہبی علماء و صلحا نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کے ترجمے کے علاوہ بھی بہت ایسی کتابیں لکھی گئیں جن سے تشکیل اردو کی تاریخ جڑی ہوئی ہے۔

محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں:

"ان (مولوی اسماعیلؒ) کی اہم ترین کتاب تقویۃ الایمان ہے، جو انہوں نے اردو زبان میں اس وقت لکھی جب اس زبان کو ابھی گھٹنوں چلنا نہ آتا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں جب اردو نثر میں گنتی کی کتابیں تھیں ایک صاحب کمال نے اس میں کیا جادو بھر دیا اور اس کی مدد سے اپنے خیالات کو کتنی خوبی سے ادا کیا۔" ۳؎

اردو انسائیکلوپیڈیا میں تحریر ہے کہ ابتدائی کتابیں جو اردو زبان میں لکھی گئیں، ان میں معراج العاشقین، شرح مرغوب المطلوب، شرح تمہید ہمدانی، اور قرآن شریف کے ترجمہ کہ کتابیں ہیں۔

اردو شاعری میں امیر خسرو، مرزا مظہر جان جاناں کے اثرات سے تاریخ ادب اردو کا جاننے والا انکار نہیں کر سکتا، حکیم مومن خان مومن، اور خواجہ میر درد کا کلام اسلامی تعبیرات اور اسلامی جذبات سے معمور ہے اور خود مرزا غالب کے کلام میں بکثرت اسلامی تعبیرات ملتی ہیں۔

حضرت سید احمد شہید کی تحریک سے متاثر شعرا اور ادبا نے اردو زبان و ادب کو دعوت اور اصلاح کا ذریعہ بنایا، اردو میں متعدد شاہنامے، جہاد کے واقعات منظوم کیے گئے۔ مولانا عبد الرزاق کلامی کی صمصام الاسلام اور مولانا عبدالحی اختر بنگلوری کی جنان السیر مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ مجموعہ کلام ہر مسلمان گھر میں مقبول خاص و عام ہے۔ مولانا حالی کی مسدس حالی، حافظ جالندھری کی شاہنامہ اسلام اور علامہ اقبال کی شاعری اور ایسے بہت سے شعراء ہیں جن کی شاعری اور ادبی نگارشات میں اسلامی تعلیمات وافر مقدار میں موجود ہیں۔

ترقی پسند ادب کو اسلامی ذہن کے ادبا اور شعرا نے اتنا بڑھنے اور عام ہونے کا موقع نہیں دیا جتنا دوسری زبانوں میں اسکو موقع ملا ہے، زبانوں کا قاعدہ ہے کہ جب کوئی زبان انسانوں کے زمرے میں جاری و ساری ہو جاتی ہے تو وہ اس کے افراد کے درمیان صرف آپس میں اپنی حاجت کے اظہار اور ضرورت کی طلب کے لئے ہی نہیں استعمال ہوتی بلکہ ایک دوسرے کے لئے اپنے تاثر کے اظہار اور احساس کی ادائیگی کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، زبان کی یہ منزل اس کو ممتاز ادبی

صفت عطا کرتی ہے، اس میں محاروں اور تلمیحات سے ماضی کی زندگی کے قابل ذکر اور موثر واقعات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے، جو ایک لفظ یا دو لفظ میں بطور مثال کسی موثر واقعہ کی طرف ذہن کو مبذول کردیتا ہے، اس میں ایک طرف کلام میں اختصار ہوتا ہے تو دوسری طرف شعری کلام میں زیادہ سے زیادہ مدد لی جاتی ہے۔

جب دنیا کی دوسری زبانوں پر قومیت کے منفی رجحانات کا بھوت سوار ہو گیا تو اردو ادباء و شعراء نے عالم اسلام کی تاریخ اور اس کے مسائل سے ویسے ہی دلچسپی لی، جیسی دلچسپی انہوں نے اپنے مسائل سے لی، اردو شاعری میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، اسی طرح مغربی تہذیب کے رد میں اردو شعرا اور ادباء نے جس قوت اور جذبہ کا مظاہرہ کیا ہے اس کی مثالیں دوسری زبانوں میں ملنی مشکل ہیں۔ علامہ اقبال، اکبر الہ آبادی، مولانا شبلی نعمانی وغیرہ کے نام نمایاں طور لئے جاسکتے ہیں۔

ہندوستان پر مسلمانوں نے ساڑھے آٹھ سو سال تک حکومت کی اور یہاں کی تہذیب اور تمدن، فنون لطیفہ، مذہب عقائد اور زبان ادب پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ خاص طور اردو زبان کا عروج ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ہی کی رہین منت ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے ایک نئی زبان کی تخلیق و ترتیب، تشکیل و ارتقاء کا باعث بنی، اس لئے قدرتی طور پر یہ زبان مذہب اسلام اور اس کی تہذیب و ثقافت کا ترجمان بنی۔ مذہب اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے ساتھ ساتھ غیر طبعی طور پر زبان کی ترویج و اشاعت ہوتی رہی کیونکہ دعوت تبلیغ بغیر زبان کے ممکن نہیں تھا، چنانچہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کے زیر سایہ زبان کی تخلیق و تشکیل اور ترویج و اشاعت کا عمل برابر جاری رہا اور عوامی سطح پر اسی عمل نے اردو زبان کو ایک مقبول و معروف زبان کا درجہ عطا کرنے میں اساسی کردار ادا کیا۔ بنیادی طور پر اسلامی خیالات، اسلامی تعلیمات اور اسلامی فکر کی ترجمانی کے لئے اردو زبان کو مقامی زبان کی حیثیت سے اختیار کرتے رہے اور اس طرح اس زبان کی تشکیل و ترویج کا عمل جاری رہا۔

اگر ہم اردو زبان و ادب کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ناول، افسانے، ڈرامے اور تاریخ میں اسلامی جذبہ اور دینی و تربیتی عناصر کا کتنا غلبہ ہے اور ہم دیکھیں گے کہ ادبا نے ان ادبی اصناف میں بھی اسلامی مسائل اور مسلمانوں کی زندگی کی مشکلات پیش کی ہیں اور تاریخ اسلامی کی فتح مندیوں اور کامرانیوں کے ساتھ ساتھ اس کی شکستوں اور ہزیمتوں اور اسلامی تاریخ کے پر درد و پر اثر واقعات پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس طرح بہت سے ادبا نے اسلامی زندگی کی مشکلات اور اسلامی معاشرہ کی راہ میں حائل دشواریوں کو بھی اصلاح کی غرض سے اپنے ناولوں اور قصوں میں جگہ دی ہے۔

اردو میں تاریخ کی کتابوں نے بھی اسلامی غیرت و حمیت کو مہمیز دینے اور اخلاف کا تعلق اسلاف سے استوار کرنے میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے، جو تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے۔ انگریزی سامراج چاہتا تھا کہ امت کا تعلق اس کے ماضی سے کاٹ دے اور غلط سلط تاریخ پیش کر کے نئے تعلیم یافتہ نسل کے ذہنوں میں شکوک و شبہات کا بیج بودے، لیکن آفریں ہے اردو تاریخ نویسوں پر کہ انہوں نے ماضی پر ان کا اعتماد بحال کیا اور ان کے آباؤ اجداد نے سیاست، علم و ادب اور فن کے میدانوں میں جو جرأت مندانہ کارنامے انجام دیے تھے، ان کی عظمت و تقدس ان کے دلوں میں پیدا کی، ان مورخین کی خصوصیت یہ تھی کہ ان کا اسلامی جذبہ نیز اسلامی رنگ اور قابل عبرت و موعظت باتوں کو نمایاں کرنے کی ان کی کوشش موضوع کے ساتھ انصاف کرنے سے مانع نہیں ہوتی تھی، چنانچہ وہ لائق عبرت باتوں کی طرف

توجہ بھی دلاتے تھے لیکن اس کے باوجود تاریخی پیشکش میں کوتاہی نہیں کرتے تھے اور اپنے موضوع سے ہم آہنگ یہ تاریخ اپنے جذباتی و موثر اسلوب کے نتیجہ میں ایک دلآویز ادبی موضوع بن جاتی، اس کے نتیجہ میں قاری عالمی اسلوب سے قریب تر آسان تاریخی اسلوب کی پیشکش سے جذبات کی عکاسی اور قلبی و وجدانی جوش کی طرف منتقل ہوتا جو دلوں کو حیرت زدہ کردیتا ہے۔

اردو ادب کی تاریخ پر نقد کرتے ہوئے پروفیسر قاضی حبیب احمد صدر شعبہ اردو، مدراس یونیورسٹی نے اپنے مضمون 'اردو ادب اور اسلام پسندی' میں تحریر کیا ہے۔

''اسلامی لٹریچر تیار کرنے والوں میں بے شمار صاحب طرز ادیب اور نثر نگار پیدا ہوئے ہیں مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالسلام سندیلوی، مولانا عبدالباری ندوی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا مناظر احسن گیلانی، مولانا عامر عثمانی، مولانا منظور نعمانی، ماہر القادری، مولانا وحید الدین خاں وغیرہ اسلامی قلمکاروں کی کہکشاں کے ستاروں کا شمار مشکل ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان میں سے معدودے چند کے ایک بھی نام اردو ادب کی تاریخ میں نمایاں نہیں ہیں۔ حالانکہ اردو ادب کی تاریخ میں اسلامی لٹریچر اور علمائے دین کی ادبی خدمات کے زیر عنوان سے ایک بسیط و مفصل باب کا اضافہ ہوسکتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اردو زبان کی نثری اسلوبیات کا خاندان علمائے کرام کے تذکرے کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔'' ۵

اردو زبان ہندوستان میں مسلمانوں کے اثر و نفوذ کا ایک خوشگوار نتیجہ ہے۔ اس زبان کے آغاز میں صوفیاء کرام اور بندگان خدا نے رشد و ہدایت کی خاطر اپنی تعلیمات کو پیش کرنے کے لئے اردو کا ہی سہارا لیا کیونکہ یہی ایک موثر ذریعہ تھا جس سے عوام الناس کے دلوں میں رشد و ہدایت کا بیج بویا جاسکتا تھا۔ چنانچہ صوفیا کرام نے اس کا خوب استعمال کیا اور اردو شروع سے ہی اسلامی تصورات و عقائد کا ترجمان بن گئی، توحید، رسالت، دنیا کی بے ثباتی، جنت و دوزخ، آخرت، مواخذہ اعمال، حشر، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اسلامی اخلاقیات و روحانیات عبادت الٰہی، عشق خداوندی، اور عشق رسول، حمد باری اور نعت رسول، اردو کا موضوع قرار پائی۔ اور اس طرح اردو پر اسلامیات کے اثرات مرتب ہوتے چلے گئے۔ آج بھی مدارس میں اردو وسیلہ تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی کتابوں کی شروحات اردو میں لکھی جارہی ہے اور اساتذہ و شارح عام اردو اسلوب کو معرب اور مفرس الفاظ سے جوڑ دیتے ہیں۔ یہ الفاظ پہلے عموماً مدرسے کی چہار دیواریوں میں قید رہتے ہیں، مگر جب یہاں کے فارغین اسلامی اور سماجی موضوعات پر لکھتے ہیں کہ وہ عربی گزیدہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح اردو اسلامیات سے متاثر ہوتی ہے اور اسلامی مزاج میں اردو فروغ پاتی ہے۔ ہم لاکھ کوشش کے باوجود اردو کو اسلامی اثرات سے محفوظ نہیں رکھ سکتے ہیں۔ کیوں کہ اہل مدارس اردو سے انتہائی قریب ہیں۔ ظاہر ہے وہ جس نہج سے اردو لکھنے اور بولنے کی کوشش کریں گے اسی طرح اردو فروغ پاتی چلی جائے گی۔

حواشی:

۱ مولوی عبدالحی حسنی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، مترجم: ابوالعرفان ندوی۔ مکتبہ دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، ۲۰۰۹ء ص ۲۷۹۔

۲ محمد حسین آزاد، آب حیات، ص ۳۱، کتابی دنیا ۲۰۲۰ء۔

۳ محمد اکرام، موج کوثر، ص ۳۸۰۔

۴ ڈاکٹر عطاء الرحمان صدیقی ندوی، اردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، رابطہ ادب اسلامی لکھنو۔

۵ پروفیسر قاضی حبیب احمد، اردو ادب اور اسلام پسندی، پیام مدرسہ، چھٹی، شمارہ نمبر ۵، جلد ۲

ڈاکٹر سیّد اسرار الحق سبیلی، سدّی پیٹ، تلنگانہ

ادبِ اطفال کی فنّی خوبیاں

جس طرح کپڑے کی دکان سے شادی کے کپڑے ڈھونڈنا آسان نہیں ہوتا، اسی طرح بچوں کے لئے تحریر کی جانے والی کتابوں کے درمیان ,,بچوں کی کتاب،، تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، بچوں کی ایسی کتاب جو اس مٹھائی کی طرح ہو جو مختلف خوش نظر رنگوں والی ہو، پسندیدہ، لذیذ اور خوش بوؤں سے بھری ہو، تازہ، صاف ستھری اور نرم نرم ہو، اور جو نہ صرف بچوں کے کچے دانتوں اور نازک آنتوں کے لئے مناسب ترین ہو، بلکہ اس کی صحت اور جسمانی نشو ونما کے لئے مفید ترین ہو۔

ایسی مٹھائی تیار کرنے کے لئے ماہر کاری گر کی ضرورت ہوتی ہے، جو اپنے فن میں ماہر ہونے کے ساتھ بچوں کے ذوق وپسند اور ان کی صحت سے متعلق شعور اور جان کاری رکھتا ہو۔ یہی بات ادب اطفال کے تعلق سے بھی کہی جاسکتی ہے، اس لئے بچوں کے لئے لکھنے یا بچوں کی کتاب یا نصاب مرتب کرنے سے پہلے بچوں کے ادب کو سمجھنا، اس کی جامع تعریف، بچوں کی نفسیات سے واقفیت، بچوں کا ادب تحریر کرنے کی شرائط ولیاقت اور بچوں کے ادب سے متعلق تنقیدی شعور اور تنقیدی اصول سے واقفیت ضروری ہے۔

بچوں کے ادب کی جامع تعریف یوں کی گئی ہے کہ ادب اطفال سے مراد نظم ونثر کا وہ ذخیرہ ہے، جو خاص طور پر بچوں کی ذہنی، علمی ولسانی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے تحریر کیا گیا ہو، یا جو بچوں کے لئے تو نہیں لکھا گیا ہو، مگر بچوں کے لئے مفید اور دل چسپ ہو، جو بچوں کے ذوق، پسند، دل چسپی، شوق، فہم و ادراک اور جذبات و احساسات کے مطابق ہو، جس میں بچوں کی نفسیات، ان کی ذہنی وعلمی سطح اور ان کی عمر کے مختلف مدارج کا خیال رکھا گیا ہو، اور جو بچوں کی تفریح طبع کے ساتھ ان کو فکر وعمل کا پیغام دے، ان کے شعور کو بیدار کرے، ان میں اچھے برے کی تمیز پیدا کرے، ان کے نفس کی تہذیب کرے، ان کے اخلاق کو سنوارے اور ان کو ایک اچھا شہری اور ایک مفید انسان بنانے میں مددگار ثابت ہو۔(۱)

جس طرح ہر آدمی بغیر مشق وریاضت کے شاعر وادیب نہیں بن سکتا، اسی طرح ہر شاعر وادیب بغیر مشق وریاضت کے بچوں کا شاعر یا ادیب نہیں بن سکتا، بچوں کا ادب تحریر کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچوں کے امور کا ماہر ہو اور ادب تحریر کرتے وقت تصور میں خود کو بچے کی سطح پر اتار کر ادب تحریر کرے، چناں چہ بچوں کے سائنسی ادیب اور صحافی پروفیسر اسلم پرویز لکھتے ہیں:

,,سچ پوچھئے تو بچوں کے لئے لکھنا اتنا آسان بھی نہیں۔ جو لوگ اردو میں بچوں کا ادب تحریر کرتے بھی رہے ہیں ان میں بھی خاصی تعداد ایسے ادیبوں کی ہے جو بچوں کے نام پر بچکانہ ادب تحریر کرتے رہے ہیں۔ صحیح معنوں میں بچوں کا ادیب بننے کے لئے سب سے پہلے خود بچہ بننا ضروری ہے، یعنی یہ کہ بچے کس طرح سوچتے ہیں، وہ آس پاس کی

دنیا کو کس طرح دیکھتے ہیں، نظام کائنات کے میں ان کے ذہنوں میں کس طرح کے سوال اٹھتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔غرض بچوں کا ادیب بننے سے پہلے بچوں کا ماہر ہونا ضروری ہے۔،،(۲)

اس سلسلہ میں بچوں کے ایک شاعر عادل حیات نے اپنا تجربہ خود بیان کیا ہے:

''میں جب بھی کوئی نظم کہتا ہوں تو تصورات (Imaginations) کے سہارے پہلے خود بچہ بن جاتا ہوں، میرے اندر وہ تمام خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں جو ایک بچے کی ذہنی استعداد اور اس کی ترجیحات ورجحانات کے مطابق ہونے چاہئیں ،ایسی حالت میں موضوع کا انتخاب نظموں کی زبان اور ان کا طرز بیان بچوں کے فطری تقاضے کے عین مطابق ہوتا ہے۔اور جب زندگی کے بہت سے مسائل آکٹوپس کی طرح مجھے اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں، ایسے میں خود پر میرا زور نہیں رہتا، میں ایک کٹھ پتلی کی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہوں، میرا Imagination بھی کام نہیں کرتا اور میں خود کو بے دست وپا محسوس کرتا ہوں۔یہی وہ دور ہوتا ہے جب میرے لئے بچوں کا ادب تحریر کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔''(۳)

بطور نمونہ وتجزیہ عادل حیات کی نظم: ،،عید،، کے چند مصرعے ملاحظہ ہوں:

نیل گگن پر نکلا چاند　　اجلا اجلا پیارا چاند
ساتھ میں اس کے آئی عید　　خوشیاں کتنی لائی عید
ابو سے کپڑے بنواؤں　　اور امی سے عیدی پاؤں
چم چم کرتے کپڑے پہنوں　　ٹوپی جوتے ،موزے پہنوں
خوشبو اپنے تن پہ لگاؤں　　ساتھ میں سب کے مسجد جاؤں
ادا نماز عید کروں گا　　بعد میں سب سے گلے ملوں گا

اس نظم کی ظاہری ومعنوی خوبی اوپر بیان کردہ مٹھائی کی طرح ہے، ہلکے پھلکے مترنم اور آسان الفاظ پر مشتمل یہ نظم پڑھ کر بچوں میں خوشی ومسرت کا احساس پیدا ہوگا ،اور ان میں سماجی ،مذہبی ،ملی اور تہذیبی شعور بھی بیدار ہوگا۔عادل حیات کی تقریباً نظمیں اسی جذبہ واحساس کی ترجمان ہیں ۔کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بچوں کے لئے لکھنے والے شعوری طور پر آسان زبان استعمال کرتے ہیں،مگر چند نظمیں،یا سطور لکھنے کے بعد اپنی عادت کے مطابق عام روش پر چلتے ہوئے مشکل زبان پر پلٹ آتے ہیں،جیسا کہ انیس کیفی (جو بچوں کے مدرس بھی ہیں) نے اپنے مجموعہ ،،نغمہ گل،، کے شروع میں چند آسان نظمیں لکھی ہیں، پھر عام روش پر چلتے ہوئے بڑوں کی زبان میں لکھنا شروع کر دیا ہے، چنانچہ ان کی نظم: ،،ابر باراں،، کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آسماں پر کالی کالی بدلیاں گھر آئی ہیں
برق باراں کے سمندر بھر کے سر پر لائی ہیں
مست مدماتی ہوئی پڑنے لگی ہلکی پھوار
پھول پتے پیڑ پودے رقص میں چھایا خمار
چہچہاتے ہیں عنادل ،ناچتی ہیں تتلیاں
مستیوں میں دوڑتے ہیں شیر چیتے ہرنیاں

اس نظم کا موضوع تو بچوں کا جانا پہچانا ہے،لیکن بھاری بھرکم فارسی آمیز عنوان ابر باراں،اور بچوں کے فہم سے بالاتر فصیح الفاظ جیسے:برق،باراں،رقص اور عنادل وغیرہ کے استعمال سے بڑوں کی شاعری ہوگئی ہے۔

بچوں وبڑوں کے ادیب اور بچوں کے اقبال

نامی کتاب کے مصنف پروفیسر عبدالقوی دسنوی نے بچوں کے شاعروں کے لئے بچوں کی نفسیات، ان کے ذوق وپسند، صلاحیت اور عصر حاضر کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے واقفیت اور ان کا تجزیہ وشعور کو لازمی قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

,, بچوں کے لئے کچھ بھی لکھنا آسان نہیں ہوتا وہ بھی نظم میں۔ بچوں کے لئے لکھنے والوں کو بچوں کا مزاج داں ہونا چاہئے۔ ان کے ذوق وشوق سے آگاہ ہونا چاہئے۔ ان کی پسند ناپسند سے واقف ہونا چاہئے۔ ان کی صلاحیت اور خصوصیت سے باخبر ہونا چاہئے۔ اس کا بھی علم ہونا چاہئے کہ ان کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں۔ اور ان کی ذہنی تعمیر کے لئے کیا اہم ہیں اور کیا چیزیں مضر ہیں۔ بچوں کے لئے لکھنے والوں کے ذہن میں یہ بات بھی واضح ہونا چاہئے کہ موجودہ دور کے تہذیبی اور معاشی حالات میں کسی ملک کے بچوں ذہنی تربیت کس طرح کی ہونی چاہئے تا کہ آئندہ وہ اس ملک کے لئے مفید بن سکیں اور ملک کی ترقی اور ناموری میں مددگار ثابت ہوسکیں، اور عالمی تخریبی سیاست اور معاشی چپقلش سے اپنے محبوب وطن کو دور رکھ سکیں۔،، (۴)

اب تک جو باتیں بیان کی گئیں وہ بچوں کا ادب تحریر کرنے والوں کی لیاقت وشرائط سے متعلق تھیں، اب نفس ادب اطفال کی فنی خوبیوں سے متعلق بھی چند باتیں عرض کرکے اپنی تحریر ختم کرنا چاہتا ہوں۔ بچوں کے شاعروادیب اور محقق وناقد پروفیسر مظفر حنفی (م:۲۰۲۰ء) نے بچوں کے ادب کی مندرجہ ذیل فنی خوبیاں بیان کی ہیں:

,, طرز ادا دل چسپ ہو، اور زبان آسان۔ موضوعات ایسے ہوں کہ بچے ان میں نیا پن محسوس کریں، یکتی اور درسی ماحول سے کچھ دیر کے لئے آزادی ملے، نصیحتیں دن رات سنتے ہیں، کچھ شوخی، کھلنڈرا پن اور مہذب شرارتیں اگر خود نہ کرسکیں تو پڑھ کر خوش ہو لیں۔،، (۵)

بچوں کے ادب کے پہلے محقق ڈاکٹر خوشحال زیدی کے مطابق بچوں کے ادب میں مندرجہ ذیل خوبیاں ہونی چاہئیں:

(۱) حیرت واستعجاب (۲) علم واعلیٰ اخلاق (۳) تخیل (۴) ایسی نظمیں یا کہانیاں جن میں صحت، صفائی، تفریح، کھیل، ورزش اور محنت ومشقت کی طرف انہیں توجہ دلائی جائے، (۵) زبان نہایت آسان بچے کی اپنی زبان میں ہو اور روزمرہ میں مستعمل الفاظ ہوں، طرز ادا اور اسلوب ایسا دل چسپ ہو کہ بچے بخوبی اس میں دل چسپی لیں (۶) خدا کے وجود اور اس کے جلال وجمال اور دوسری صفات کا نقش بچوں کے ذہن پر مرتسم کیا جائے، (۷) کہانیوں اور نظموں میں کسی حد تک مبالغہ آرائی ورنگ آمیزی سے بچوں کی دل چسپی کو دوبالا کیا جائے، (۸) انسانی وحدت ومحبت، حب الوطنی، باہمی اتحاد اور قومی یک جہتی کو موضوع بنایا جائے، (۹) ادب اطفال بچے کے ذہن کو زیادہ متاثر کرے اور اس کے مطالعے سے بچوں کو سچی خوشی اور ذہنی تسکین ہو، (۱۰) بچوں کے ادب کی ایک نمایاں خوبی تنوع ہے، بچوں کے ادب میں موضوعات کی رنگارنگی اور ان کی پیش کشی نئے نئے اسالیب اور اچھوتی تکنیک سے ہونی چاہئے۔ (۶)

ادب کی ایک اور اہم خوبی عصری تقاضے اور عصری رجحانات ومیلانات سے ہم آہنگی ہے، ادب اطفال پر بھی

اس کا اطلاق ہوتا ہے، بچے نئی چیزوں کی طرف جلد مائل ہوتے ہیں، نئی چیزیں دیکھ کر وہ مچل جاتے ہیں، وہ ہر نئی چیز کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں، اس اعتبار سے بچوں کو نئی نئی ایجادات اور نئے نئے اکتشافات سے واقف کرانا اور نئی نئی تحقیقات کو نئے نئے ڈھنگ اور نئے نئے اسلوب میں پیش کرنا بچوں کے شوقِ مطالعہ میں اضافہ کا باعث ہوگا، اور بچوں کی تعلیم اور کیریئر کے اعتبار سے بھی انتہائی مفید ہوگا۔ سائنس اور عصری ذہانت و دانش کی آرائشوں میں ڈوبے ایسے قصے کہانیوں اور منظومات سے بچوں میں ذہانت، عزم و حوصلہ، جرأت، حاضر دماغی، قومی و ملی جذبہ، سماجی شعور، نظم و ضبط اور سائنسی و تحقیقی شعور پیدا ہوگا۔

غرض بچوں کی شاعری یا نثر بھی بڑوں کی شاعری اور نثر کی طرح شعری و نثری خوبیوں سے آراستہ ہونی چاہئے، اس میں بھی آمد کا ہونا ضروری ہے، اس کے لئے بھی تشبیہ و استعارہ اور دوسری صنائع لفظی و معنوی کی چاشنی درکار ہے، وہ بھی شاعر و ادیب کی قوتِ متخیلہ کی محتاج ہے، وہ بھی شاعر و ادیب سے مشق و ریاضت کی متقاضی ہے، خاص طور سے بچوں کے امور میں مہارت اور بچوں سے محبت، خلوص، ہمدردی، ان کی ذہنی و روحانی تربیت اور اخلاق و کردار سازی کا جذبہ، نیز عصری تقاضے، جدید سائنسی ایجادات، حیرت انگیز اکتشافات و تحقیقات اور بدلتے عالمی منظرنامے میں زبان و ادب کی اہمیت، مقام اور کردار سے بچوں کو واقف کرانے کی فنی و تکنیکی صلاحیت پائی جانی چاہئے۔

حواشی:

(۱) سید اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر، بچوں کے ادب کی تاریخ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۶ء) ص: ۳۹

(۲) اسلم پرویز، پروفیسر، پیش لفظ گیت مالا، از: عادل اسیر دہلوی (دہلی: ملک بک ڈپو، ۲۰۱۰ء) ص: ۳

(۳) عادل حیات، ڈاکٹر، بلبلے کا بندر (نئی دہلی: مکتبہ پیام تعلیم، ۲۰۰۹ء) ص: ۷۔۸

(۴) عبدالقوی دسنوی، پروفیسر، پیش لفظ پھول ایک ہی چمن کے، از: کوثر صدیقی، (بھوپال: دھرو پبلی کیشن، ۱۹۹۵ء) ص: ۷۔۸

(۵) مظفر حنفی، پروفیسر، پیش لفظ ہماری نظمیں، از: ڈاکٹر شفیق اعظمی (اعظم گڑھ: البدر بک سینٹر، ۲۰۰۵ء) ص: ۵

(۶) خوشحال زیدی، ڈاکٹر، اردو میں بچوں کا ادب (کانپور: ادارہ بزم خضر راہ، ۱۹۸۹ء) ص: ۳۱۔۳۳

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد کے ۳۶ شماروں کی رسم اجراء کرتے ہوئے پروفیسر ظفر الدین، پروفیسر مجید بیدار، قمر جمالی، نفیسہ خان، مختار احمد فردین، ڈاکٹر محامد ہلال اعظمی، محسن خان اور ابوہریرہ یوسفی و دیگر

نہاں نوورین (نور) ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

تلگوادب کی ممتاز شاعرہ - سری لتا

اہل تلگو میں یہ قول مشہور ہے۔ "دیشا بھاشا لندو تلگولیسا" معنی ہیں دیش کی زبانوں میں تلگو عمدہ زبان ہے۔ "تینے لانٹی تلگو" شہد جیسی تلگو زبان۔۔۔ ہر کسی زبان داں کو اپنی زبان عزیز ہوتی ہے لیکن ہم اسی تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اپنی زبان کے علاوہ دوسری زبانوں کو سیکھنے کا عمل موجودہ دور میں نہیں رہا۔ تلگو کے حوالے سے بات کریں تو اردو خواتین شعراء کی طرح تلگو ادب میں بھی ایسی کئی ایک شعراء ہیں جنھوں نے تلگو ادب میں اپنا نمایاں مقام حاصل کیا اور اپنی شاعری کے ذریعے سماج میں ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف آواز اٹھائی تلگو ادب کی شروعات گیارھویں صدی میں ہوتی ہے اور دوسو برس تک کوئی خاتون ادبی منظرنامے میں نظر نہیں آتی ہے کیونکہ خواتین مذہبی اور تہذیبی روایات کی قیدوبند میں ہی رہی ہے پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں خواتین نے ادبی قدم رکھا اور انیسویں صدی کے آخر تک سماج کی برائیوں جیسے مذہبی ذات پات، ستی کی رسم، شادیوں میں جہیز، جسم فروشی، مردوں کی بالادستی، خواتین پر ظلم و ستم، نابالغ لڑکیوں کی شادی، جیسے موضوعات پر بہت کچھ لکھا اور بیسویں صدی کی شروعات کے ساتھ تلگو نسائی ادب نے کروٹ بدلی ایسی ہی ایک شاعرہ ہیں سری لتا

سری لتا کا شمار نیی نسل شعراء میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق آندھراپردیش کے ضلع گنٹور سے ہے۔ شادی کے بعد محبوب نگر منتقل ہوئی۔ سری لتا نے ایم اے، ایل ایل بی تک تعلیم حاصل کی۔ سری لتا نے شعر گوئی کا آغاز 1984 سے کیا۔ سری لتا کو جتنی محبت تلگو سے تھی اتنی ہی دلچسپی اردو زبان سے بھی تھی اور وہ اردو زبان کی قدر دان بھی تھیں۔ سری لتا تلگو ادب کی جدید شاعرہ ہیں۔ یہ بڑی ہی جذباتی ہیں۔ سری لتا ایک نیی نسل شاعرہ ہیں لیکن ان کا لہجہ نرم نرم اور متوازن ہے۔ سری لتا تلگو کی ایک جذباتی اور ابھرتی ہوئی شاعرہ ہے۔ سری لتا کا عورت پن ان کی شاعری کی پرکشش کا ضامن ہے۔ سری لتا کی شاعری کی عمر بہت ہی کم ہے لیکن اس مختصر سے عرصے میں انہوں نے اپنی شناخت بنائی۔ ان کی شاعری عورت کی زندگی کی ترجمانی کرتی ہے۔ ان کی شاعری نے عورت کو نہایت ہی بلند مقام عطا کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ نسوانی زندگی کی پابندیوں، آزادیوں، تمناؤں، آرزوؤں کی نمائندگی کرتی ہے۔ چونکہ تلگو میں نثری نظموں کا رواج ہے اسی لیے سری لتا نے پابند نظمیں لکھیں اور گیت بھی لکھے. ان کے گیتوں میں بھی نظموں کا مزاج ملتا ہے۔ سری لتا نے اپنی نظموں میں جہاں اپنے خدمات و احساسات کی عکاسی کی ہے۔ تو دوسری طرف ان کو اپنی مٹی سے بھی محبت تھی اور قدیم ساتھ ہی قدیم روایات سے بھی اپنا رشتہ برابر جوڑے رکھا سری لتا کو نے عورتوں کو یہ تلقین کی تھی کہ وہ اپنے عورت ہونے پر فخر محسوس کرے اور اس بات کی تلقین کی کہ عورت نسوانیت کا

دامن چھوڑ کر مردانہ رویہ اختیار کرے اور نہ ہی مردانہ ذہن سے سوچے اور اسی کی طرح جینے کی کوشش کرے۔ سری لتا نے عورتوں کے متعلق یہ کہا عورتیں اپنے عورت پن کے تحفظ ساتھ ساتھ کاروبار زندگی میں مرد کے برابر حصہ ادا کرنے کی قائل ہے۔ سری لتا کی شاعری جنس مقابل کی نفسیاتی کمزوریوں اور مردوں کی بالادستی کے خلاف جذبات اور خیالات کا اظہار ہے۔

سری لتا نے تلگو میں ایک کتاب "دھکارم" کے نام سے لکھا۔ سری لتا نے اس کتاب میں لکھتی ہیں کہ ان کو ایسے قانون سے انحراف ہے، جس میں میاں بیوی کی مشترکہ اولاد کو صرف باپ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے اور ماں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ عورت جو نو ماہ تک بچے کو اپنی کوکھ میں رکھتی ہے اور خون دے کر اس کی پرورش کرتی ہے۔ اپنے دل کی دھڑکن سے بچے کی دل کی دھڑکن کو دھڑکنا سکھاتی ہے۔ پھر اس کو جنم دے کر ایک نئی دنیا سے روشناس کراتی ہے۔ پھر جب وہ بڑا ہو جائے تو اس کو خون دے کر اس کی پرورش کرتی ہے۔ اس طرح بچہ اس کی آغوش میں بڑھتا ہے۔ کھیلتا ہے، ہنستا ہے روتا ہے اور رو کر اپنی گفتگو کی ابتداء کرتا ہے تب ماں اس کی زبان کو سمجھتی ہے اور بچے کی زبان صرف ماں کو ہی سمجھ آتی ہے اور پھر جب اس کی منہ سے جو پہلا لفظ نکلتا ہے وہ ماں ہوتا ہے ان سب کے باوجود مردوں کا بنایا ہوا قانون بچے کو باپ سے منسوب کرتا ہے لیکن اگر سری لتا کی شاعری کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سب سری لتا کہ ذاتی اور ایک طرفہ خیالات ہیں۔ جس میں ممتا پن کی آواز زیادہ سنائی دیتی ہے لیکن اگر سری لتا گھر کی دیواری سے باہر نکل کر دیکھیں تو دنیا کو جان پاتی اور یہ سمجھتی کہ بچے کو اپنی اقامت تک پہنچنے کے لئے روٹی اور کپڑے کے علاوہ تعلیم وتربیت ضروری ہے اور اپنے خاندان کو چلانے کے لیے مرد کو کتنی محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے اور ساتھ ہی کیا کیا قربانیاں دینی پڑتی ہیں تو وہ ہرگز ایک طرفہ فیصلہ نہیں کرتیں..........

سری لتا کی ساری نظمیں متاثر کن ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی پیش کشی بھی عمدہ ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ شاعری اور مصوری میں اتنا فرق ہوتا ہے کہ مصور اپنے نظریے کی عینک سے جو کچھ بھی دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے تو اس کی تصویر بھی بنا دیتا ہے لیکن شاعر اپنے الفاظ کے ذخیرے سے اس میں موجود باطن کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ جس میں جذبات اور احساسات کی ایک دنیا آباد ہوتی ہے۔ سری لتا نے جتنی بھی نظمیں لکھی ان میں عورت کو بالاتر رکھا ان کی اہمیت وعظمت کو بتایا۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر عورت نہ ہوتو تمہارا وجود باقی نہ ہوتا بغیر عورت کے مرد نصف انسان کہلائے گا عورت مرد کو اس کے وجود کا احساس دلاتی ہے اور خود عورت کے وجود کو حسن سراپا، حرف نزاکت کا نام دیتی ہے۔

سری لتا کی شاعری عورتوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف احتجاجی شاعری کی۔ سری لتا نے شاعری میں جو بھی تجربے کئے وہ تلگو دنیا میں قبول رہے۔ ان کی زیادہ تر نظمیں تاثراتی ہیں۔ ان کی نظموں کے عنوانات عورت، الفاظ، کچھ دیر ذرا سا چپ کرلیں، اپارشن، بڑا ضدی ہے دل، محنت کش، آرزو، آثار، بھلا دو ہر رشتہ بے وفا کو، ہے سری لتا کی بعض نظمیں طنزیہ بھی ہیں. ان کی ایک تاثراتی نظم ملاحظہ ہو:

بھلا دو ہر اک رشتہ بے وفا کو
جنھیں تیری خوشیوں ترے غم

تری حسیت سے علاقہ نہ ہو
تری دوستی اور کمال ہنر سے خوشی بانٹ لینا بھی آتا نہ ہو
ترے دل کی گہرائیوں میں ذرا جھانک لینا بھی نہ آتا ہو
بھلادے مرے دل انھیں تو بھلادے
جو اپنے تھے زنجیر پا بن گئے وہ
عزیزوں کے تھے آستیوں میں خنجر
دیے ذخم خود چارہ سازوں نے مل کر
بھلادے مرے دل انھیں تو بھلادے
سنبھل جا ذرا اس سے پہلے مرے دل
جلاکر تجھے یاسیت راکھ کردے
تجھے گھیر لے بے کلی ہر جہت سے
تجھے تشنگی کھوکھلی کرکے رکھ دے. بس اب توڑ دے یہ زنجیر پا کو
بھلادے ہر اک رشتہ بے وفا کو

یہ سری لتا کی نہایت ہی بہترین نظم ہے جو دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے ساتھ ہی یہ سبق آموز نظم ہے جس میں شاعرہ لوگوں سے کہتی ہیں کہ جن کو ہمارے خوشی سے خوشی نہیں ہوتی نا ہمارے غم سے جو لوگ غمگین ہوتے ہیں اور ہماری قدر نہیں کرتے۔ نہ ہی ہمارے دل کی گہرائیوں تک پہنچتے ہیں۔ ان تمام رشتوں سے تعلقات رکھنے سے اچھا ہے کہ جتنا ممکن ہوسکے ان رشتوں سے دوری اختیار کرنا ہی بہتر ہے اور اپنے دل سے یہ کہہ رہی ہے کہ ایسے بے وفا رشتوں کو بھلا دینا چاہیے اور یہ کہتی ہے کہ اے دل جس کو تو نے اپنا سمجھا اپنا مانا پوری وفاداری سے جن رشتوں کا ساتھ دیا وہی رشتے آج ترے پاوں کی زنجیریں بن گئی۔ سری لتا کی نظمیں قاری کو سوچنے پر مجبور کردیتی ہیں۔ ان کی نظمیں متاثر کن ہوتی ہیں اور فکر انگیز ہوتی ہیں اور عصر جدید کا انکشاف بھی کرتی ہیں۔ سری لتا کی شاعری میں خیالات کی گہرائی ہوتی ہے۔ ان کی زیادہ تر نظمیں حقائق پر مبنی ہوتی ہیں۔ ان کی شاعری کا مقصد عورتوں کے سماجی موقف کو محسوس کرتے ہوئے اگر کوئی آنکھیں چونک اٹھتی ہیں تو اور کوئی دل دھڑکتا ہے کوئی ذہن بیدار ہوتا ہے اور کوئی معصوم دل پگھل جاتا ہے یا کسی دانشور سے خراج تحسین مل جاتا ہے تو اس وقت سمجھا ئے گا واقعی عورت کو اس کا مقام مل گیا۔

سری لتا کی شاعری زیادہ تر شاعری میں عورتوں کی زندگی کے گوناگو پہلو نظر آتے ہیں سری نے تا حیات اپنی شاعری میں عورتوں کے ظلم و ستم کے متعلق ہی لکھا ہے اپنے ذاتی تجربات اور احساسات کو اپنی شاعری میں خوبصورت انداز میں پیش کیا اور اسے شعری پیراہن میں ڈھال کر اظہار کے وسیلے کو اپنے احساس سے مالا مال کردیا۔ مرد کی برتری کے خلاف آواز بلند کرتے اور اپنی نسائی شناخت کو شعر و ادب کے توسط سے مضبوط اور برقرار رکھنے والی خواتین میں سری لتا کا شمار ہوتا ہے۔ خواتین زیادہ حساس ہوتی ہیں مگر احساسات کو چھپانا ان کے اظہار سے زیادہ پسند کرتی ہے اور ساتھ ہی حیا کے فطری تقاضے بھی شامل ہیں۔ ان کی شاعری لوگوں کے اندر مثبت فکر کو پیدا کرتی ہے اور انسان میں روشن خیالات کو بیدار کرتی ہے۔ ان کی شاعری کو استحصال کے خلاف استعمال ہونے والا شمشیر کہا جاسکتا ہے۔ ان کی شاعری میں خود کلامی اور مکالمہ دونوں صورتیں پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں استعاریں، تشبیہات اور مستعمل علامتیں زیادہ تر پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری میں خیالات کی گہرائی زیادہ تر ہوتی ہے۔ سری کی شاعری کے موضوعات حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں۔ سری لتا نے دنیا کے لوگوں کی فطرت کو بھی بخوبی بتایا ہے کہ کس طرح لوگوں کی زندگی............................. (بقیہ ص: ۴۰ پر)

منظور حسن گنڈا - ریسرچ اسکالر، مانو حیدرآباد

قطب شاہی عہد میں دکن کے علوم وفنون پر ایرانی اثرات

ہندوستان میں فارسی زبان کی سب سے بڑی خوش نصیبی یہ رہی ہے کہ جہاں اس کو درویشوں، فقیروں، شعراء اور ادباء نے منہ لگایا وہی بادشاہوں، امیروں اور وزیروں نے بھی اس کو خوب پروان چڑھایا۔ تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ فارسی زبان نے ہندوستان میں آغاز سے ہی سیاسی وسماجی نشیب وفراز دیکھے ہیں۔ فارسی ادبیات دکن کی بات کریں تو یہ سرزمین بھی سیاسی خلفشاری کی ہمیشہ شکار رہی ہے۔ جب ایک فتح مند نوجوان ظفر خان Allau din Hassa) نے دکن میں بہمنی سلطنت کی بنیاد رکھی (bhaman shah اور اس سلطنت نے ۷۴۸ ہجری قمری سے لیکر ۹۳۹ ہجری قمری تک حکومت کی اور اس کے بعد میں بری طرح سے سیاسی خلفشاری کی شکار ہوئی۔ نتیجتاً بہمنی سلطنت پانچ خود مختار حکومتوں میں تقسیم ہوئی۔ وہ خود مختار حکومتیں بیجاپور، گل کنڈہ، احمد نگر، بیدر اور بیرر میں قائم ہوئی۔ ان خود مختار حکومتوں میں گلکنڈہ جہاں پر سلاطین قطب نے حکومت کی، ادبی لحاظ سے ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ اس قبیلے کے آٹھ بادشاہوں نے یکے بعد دیگرے مملکت حکمرانی کے ساتھ فارسی زبان وادبیات کی خوب سرپرستی کی ہیں۔

قطب شاہی خاندان کا بانی سلطان قلی قطب شاہ تھا۔ جو ترکستان کے ایک مشہور قبیلے قراقویوں (کالا بھیڑ) سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ قبیلہ جنگجو اور طاقتور تھا۔ اس لیے ترکستان کا ایک بڑے حصے اور مغربی ایران پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔ تاریخ ادبیات ایران کے مصنف اڈوارد بروان لکھتا ہے کہ وسط ایشیا کی تاریخ میں تیمور صاحب قران کے بعد ان ہی کا دبدبہ تھا۔ اس قبیلے نے چنگیز خان کا بھی بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا اور کبھی اس سے زیر نہیں ہوا تھا۔

سلطان قلی شاہ ہمدان میں پیدا ہوئے۔ سلطان محمد شاہ لشکری کی حکومت کے آخری دنوں میں سلطان قلی قطب شاہ دکن میں آیا اور محمد شاہ کے ترکی غلاموں کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ سلطان قلی قطب علم حساب میں بڑی مہارت رکھتا تھا اور بڑا خوش خط تھا۔ اس وجہ سے اسے شاہی محلات کا حساب نویس مقرر کیا گیا۔

یوسف عادل شاہ، احمد نظام شاہ اور عماد الملک نے اپنے دکنی علاقوں میں خود مختاری اور بادشاہت کا دعوی کر کے الگ الگ سلطنتیں قائم کیں۔ جب سلطان محمود بہمنی کی سلطنت زوال پذیر ہوئی تو ۹۱۸ ہجری میں سلطان قلی نے بادشاہت کا دعوی کیا اور اپنے آپ کو قطب شاہ کے خطاب سے موسوم کر کے خود مختار حکومت قائم کر لی اور انہوں نے ۳۳ سال حکومت کر کے اپنی بیٹے جمشید کے ہاتھوں مارا گیا۔

جمشید قطب شاہ کا دور زیادہ جنگ وجدال میں گذرا اور کہا جاتا ہے کہ یہ بہت بد مزاج تھا اسی لیے چند امرا نے اس کو معزول کر کے اس کے بھائی حیدر خان کو بادشاہ بنانے کا ارادہ کیا۔ اس بادشاہ نے سات سال اور چند ماہ بادشاہت کی اور ۹۵۷ ہجری قمری میں فوت ہوئے۔

ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں بہت سے قابل اور

مدبر امرا شاہی دربار میں داخل ہوئے اور ان کی وجہ سے قطب شاہی خاندان کی شہرت اور نیک نامی میں بہت اضافہ ہوا۔ اس خاندان کا پانچواں بادشاہ جو بہت ہی خوبرو، خوب سیرت، نیک و رحم دل تھا۔ اور جس کی وجہ سے فارسی زبان نے ترقی کی اس کا نام محمد قلی قطب شاہ ہے۔ ان کی ولادت پر کسی نے یوں کہا ہے:

شاہ را داد خدا فرزندے — کہ شد از دیدن او دل خرم
پی شکرانہ شد دریا دل — کرد با خلق بہ صد لطف و کرم
سال مولودش را یافت فلک — باعث روزی اہل عالم

محمد قلی قطب شاہ ایک سخن سنج اور ایک ادب نواز حکمران ہونے کے ساتھ ساتھ فن تعمیر میں بھی شہرت خاص رکھتا تھا۔ انہوں نے حیدرآباد شہر کی بنیاد رکھی۔ چار مینار جو عصر حاضر میں ہزاروں سیاحوں کے لیے باعث کشش اور تفریح ہے اسی بادشاہ کا تعمیر کردہ ہے۔ اس کے علاوہ چار مینار کے قرب وجوار میں شاہی محل تعمیر کروائے۔ شہر میں بے شمار مساجد، خانقاہیں، عاشور خانے، مہمان خانے، مدرسے اور کاروان سرائے بنوائیں۔ کئی محلات جیسے حیدر محل، جگن محل، باغات وغیرہ اسی بادشاہ کے عہد میں تعمیر ہوئے۔

میر سعادت علی رضوی ان کے کارناموں کو مختصر یاد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اسی بادشاہ نے موجودہ شہر حیدرآباد کی بنیاد ڈالی اور چار مینار کی اسی عظیم الشان عمارت اپنی یادگار چھوڑی۔ اسی کے زمانے میں گلکنڈہ علما وفضلا اور شعرا کا مرجع بن گیا۔

محمد قلی قطب شاہ کی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہر کسی سے خوش روییے سے پیش آتے تھے اور انہی کے زمانے میں شاعری پروان چڑھی۔ میر محمد مومن استرآبادی پچیس سال تک ان کے دربار میں بہت معزز ومکرم تھے۔ میر مومن دنیاوی ودینوی امور میں فاضل اجل اور بزرگ تھے۔ شعر وشاعری سے انہیں کافی لگاؤ تھا۔ ان کے اشعار زبان زد خاص وعام تھے۔ محمد قلی قطب شاہ کو میر محمد مومن سے بہت زیادہ عقیدت تھی۔ اس نے تمام معاملات حکومت مومن کے سپرد کر رکھے تھے۳۔ اسی ضمن میں پروفیسر ہارون خان شیروانی لکھتے ہیں:

"اگرچہ شہر حیدرآباد کو آباد کرنے کی منصوبہ بندی میں میر مومن کا ہاتھ تھا لیکن بلاشبہ اس کا نقشہ محمد قلی کا تیار کردہ تھا۔"۴

محمد قلی قطب شاہ علوم وفنون کا دلدادہ تھا۔ وہ بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ادب پرور بھی تھا۔ وہ شعرا وادبا کو بڑے ہی ادب اور احترام سے نوازتا تھا۔ ان کی شخصیت بڑی متنوع اور پہلودار تھی۔ وہ فنون لطیفہ کا دلدادہ تھا۔ اس کو شاعری کے علاوہ خوش نویسی کا بڑا شوق تھا۔ اس نے خط نسخ ثلث اور خط نستعلیق کے استاد ایران اور عراق سے بلوائے تھے۔ ان کے خطوط کے نایاب نمونے حیدرآباد کی عمارتوں اور کتبوں میں اب تک موجود ہیں۔ جامع مسجد کا بیرونی دروازے کے کتبے خط نستعلیق کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ اسی مسجد کے محراب کا کتبہ خط نسخ کا بھی شاہکار سمجھا جاتا ہے۔

محمد قلی قطب شاہ کو خوش نویسی کے ساتھ ساتھ فن مصوری سے بہت لگاؤ تھا۔ عادل شاہی اور قطب شاہی عہد میں مصوری کے دکنی دبستان نے بڑی ترقی کی تھی۔ محمد قلی قطب شاہ کے دیوان کا قدیم ترین نسخہ سالار جنگ میوزیم میں موجود ہے۔ اس میں محمد قلی کی بزم، طرب اور رقص وسرور کی محفلوں کی رنگین تصویریں موجود ہیں۔ یہ نسخہ بقول ڈاکٹر زور محمد قلی کی زندگی میں لکھا گیا تھا۔۵

جیسا کہ تاریخ میں ذکر شدہ ہے کہ قطب شاہی ایرانی الاصل اور شیعہ تھے۔ ان کو صفویوں سے دلی وابستگی اور بہت میل میلاپ تھا۔ قارئین جانتے ہیں کہ جب سے برعظیم ہندوستان میں اسلام پھیلا ہے تو اس وقت سے تمام فرمانرواؤں کو ایرانی

بادشاہوں کا قرب حاصل رہا۔ لیکن یہ اعزاز صرف قطب شاہی کے حصہ آیا کہ شاہ ایران شاہ عباس نے اپنے بیٹے کی شادی کا پیغام محمد قلی قطب شاہ کی بیٹی کے لیے دیا ہے۔۶ محمد قلی اس پیغام کو باعث فخر سمجھنے لگا اور شادی کے انتظامات میں پوری طرح مشغول رہا۔ تا کہ اپنی بیٹی کو ایران روانہ کر کے سعادت دارین حاصل کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قطب شاہی ایران کے علوم وفنون سے آگاہ تھے اور ان سے بہت متاثر تھے۔ اسی لیے ان علوم وفنون کے طرز پر دکن میں بھی فن تعمیر کا رواج عام ہونے لگا جس کو ہم کچھ یہاں ذکر کرنا لازمی سمجھتے ہیں:

۱: پل کی تعمیر: قطب شاہی نے لاکھوں روپے خرچ کر کے تعمیرات کی بنیاد ڈالی۔ ابراہیم قطب شاہ نے دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ صرف کر کے پرانا پل تعمیر کروایا۔

ز تحت او گزرد ما و ما بر او گزرویم

از ایں سبب شدہ تاریخ او گذرگہ ما ے

۲: نئے شہر کی منصوبہ بندی: میر محمد مومن شاہ عباس صفوی کے اصفہان نصف جہان کی رونق اور آرائش دیکھ چکے تھے اور محمد قلی قطب شاہ نے سارے امور میر مومن کے سپرد کیے تھے۔ تو انہوں نے ایک خوبصورت شہر بنانے کا واضح تصور اپنے ذہن میں بنایا۔ اس تصور کی تکمیل کے لیے میر مومن نے ایران سے میر ابوطالب، استاد کمال الدین شیرازی اور شہریار جہاں کو، جو ایران کے مشہور ومعروف ماہرین فن تعمیر تھے مدعو کیا اور انہیں بڑی بڑی عمارتوں کا خاکہ مرتب کرنے پر مامور کیا۔

چار مینار اور دولت خانہ عالی کی عمارتوں کا پلان میر ابوطالب نے تیار کیا تھا بادشاہ نے ان کی کامیاب منصوبہ بندی اور فن تعمیر میں ان کے استادانہ کمال سے خوش ہو کر انہیں ناظر الملوک کے خطاب سے سرفراز کیا تھا۔

خداداد محل، محل کوہ طور اور داد محل شہریار جہان کی فن کارانہ صلاحیتوں کے ثبوت تھے۔ میر ابوطالب نے محمد قلی کے جانشین سلطان محمد قطب شاہ سے مخاطب ہو کر ایک نظم میں کہا تھا:

گر صفاہاں تو شد از شاہ جہاں عباس صفوی

حیدرآباد از تو شد شاہا صفہان نوی

۳: چار مینار: تو زک قطب شاہی میں میر علی روشن لکھتے ہیں کہ چار مینار کا ڈیزائن امام حسین (ع) کے تعزیہ کی شکل پر تیار کیا گیا تھا۔۸

ہارون خان شیروانی کا خیال ہے کہ چار مینار کی پانچ دہری کمانیں پنجتن کے عدد کی رعایت سے بنائی گئی ہیں۔۹

اسی لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ نہ صرف قطب شاہی نے ایران کے فنون کا اثر قبول کر لیا بلکہ وہ صفویوں کے شیعہ مسلک سے بھی متاثر ہوئے تھے۔

۴: دولت خانہ عالی: چار مینار کے شمال مغرب میں دولت خانہ عالی تعمیر کیا گیا تھا۔ لچھمی نارائن شفیق اپنی کتاب "احوال حیدرآباد" میں لکھتے ہیں کہ عالمگیر نے اس محل کو دیکھ کر دریافت کیا تھا "این بلند بلند چیست" تو نعمت خان عالی نے جواب دیا تھا کہ داد محل است۔ اس پر اورنگ زیب نے کہا تھا آرے شد محل است اورنگ زیب کے حکم سے یہ عمارت مسمار کردی گئی تھی۔۱۰

۵: خداداد محل: خداداد محل آٹھ منزلہ شاندار عمارت تھی۔ معین سبزواری نے اس خوبصورت اور عالی شان محل پر ایک نظم کہی، جس سے تاریخ تعمیر اخذ کی جاتی ہے۔

این قصر کہ ہشت رشک فرمائے بہشت

ایام باب زندگانیش سرشت

تاریخ مرتب شد نقش، کلک قضا

بر لوح بقا بنائے جاں بخش نوشت ۱۱

بادشاہ کے ہر ایک فن تعمیر میں اسلامیات کا عنصر پایا جاتا ہے۔ وہ بھی بالخصوص صفوی دور کی تعمیرات کا اثر و نفوذ ہے۔ بادشاہ ان آٹھ منزلوں کا نام بھی امام کے ناموں پر رکھا تھا۔ جیسے پہلی منزل موسوی محل، دوسری منزل جعفری محل، تیسری منزل حسینی محل، چھوتی منزل حسنی محل، پانچوی منزل حیدری محل، چھٹی منزل محمدی محل اور ساتوی منزل الہی محل کے نام سے موسوم ہیں۔

۶: تجن محل۔

۷: اعلی محل اور حیدر محل۔

۸: حنا محل: اس محل کے بارہ میں یوں کہا گیا ہے:

این مقام خوش کہ مستغنی است از نقش و نگار
ہست با جنات تجری تحتھا الانہار یار
فرخ آں منزل کہ شاہی را بود روئے نشست
روشن آں محفل کہ ماہی را بود بر روئے گزار

۹: باغ محمد شاہی۔

۱۰: شفا خانہ: اس شفا خانہ کی عمارت اب بھی موجود ہیں اور اسی کی رعایت سے اس محلہ کا نام دار الشفا مشہور ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان قطب شاہی بادشاہوں نے جتنے بھی فن تعمیرات استوار کیں وہ فقط ایران کے طرز نقوش پر بنائی گئیں۔ قطب شاہی بادشاہوں میں دوسری خاص بات یہ تھی کہ انہوں نے علوم میں بھی ایران کا اثر قبول کیا۔ جب ایران میں صفوی حکومت قائم ہوئی تو انہوں نے قصیدہ اور مدح سرائی کی جگہ مرثیہ سرائی اور اہل بیت کی شان میں مدح گوئی کو ترجیح دی۔ اسی طرح قطب شاہی دور میں بھی مرثیہ سرائی کو بہت اہمیت دی گئی۔ حتی کہ خود بادشاہ محمد قلی قطب شاہ نے محتشم کاشانی کے ہفت بند کے پیروی کر کے مرثیہ سرائی کی جو کتابوں میں درج ہیں:

بازاین چہ ماتم است کہ پشت جہان شکست
صد تیر آہ در جگر آسمان شکست
باز این چہ ماتم است کہ از جوش العطش
خوناب گریہ در گلوے تشنگان شکست
ہر تیر غصہ کہ ازین غم بہ دل رسید
بیرون نرفت از تن و در استخوان رفت
ہر طائر رفیع کہ در سدرہ جائے داشت
دراین قضیہ چنگ زد و آشیان شکست
ہر کاتبی کہ قصیہ این غصہ می نوشت
شد مضطرب چنانکہ قلم دربیان شکست
آہ ز دی کہ نیزہ آن مرتد لعین
در پیکر شریف امام زمان شکست
جبرئیل خاک کرد بہ سر از غم حسین
خون شد دل ملائکہ در ماتم حسین ۱۲

کتابیات:

۱: ڈاکٹر سید جعفر، کلیات محمد قلی قطب شاہ، ص ۹۲
۲: میر سعادت قلی رضوی، کلام الملوک،
۳: فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ص ۳۴۷
۴: پروفیسر ہارون خان شیروانی، محمد قلی قطب شاہ (انگریزی) ۱۳۷
۵: ڈاکٹر زور، دیباچہ کلیات محمد قلی قطب شاہ، ص ۹۳۳
۶: فرشتہ، تاریخ فرشتہ، ص ۳۴۷
۷: ڈاکٹر سید جعفر، کلیات محمد قلی قطب شاہ، ص ۸۶
۸: میر روشن علی، تو زک قطب شاہیہ، مخطوطہ نمبر 37، ادارہ ادبیات اردو، ص ۲۱۲
۹: ہارون خان شیروانی، محمد قلی قطب شاہ، ص ۲۱
۱۰: بھی نارائن شفیق، احوال حیدر آباد، ص ۹۰۲
۱۱: گرد ہاری لال احقر، تاریخ نظرہ، ص ۲۱
۱۲: میر سعادت قلی رضوی، کلام الملوک، ص ۳۵

شمیم مشتاق معروفی۔ پورہ معروف مئو (اتر پردیش)

فرسودہ خیالات اور حکومت

زندگی بھی عجیب وغریب ہے، ہزار رنگوں کے ساتھ نئی نئی راہوں سے گذرتی ہے۔ کبھی یہ بہار کے موسم کا مزہ لیتی ہے تو کبھی پت جھڑ کے ہواؤں میں پتوں کے مانند بکھر جاتی ہے، کبھی پھول بن کر خوشبو پھیلاتی ہے تو کبھی درندہ بن کر معاشرے کو پراگندہ کرتی ہے۔ مانو زندگی حیوانیت کا لبادہ اوڑھ کر انسانوں کے اندر رہتی ہے۔ تبھی تو ایک زندگی کو بہتر بنانے کے چکر میں دوسری زندگی کا قتل کیا جاتا ہے۔ فرسودہ خیال اور ڈھونگی باباؤں کے چنگل میں پھنس کر معصوم بچوں کی بلی چڑھائی جاتی ہے۔ تبھی تو کہا جاتا ہے زندگی ظالم بھی ہے اور مظلوم بھی اب زندگی انصاف کی فریاد لگائے تو کس سے؟ کیا اس سماج سے جو اپنے مستقبل کو سنوارنے کے لئے معصوموں تک کی پرواہ نہ کرے، یا ان ڈھونگیوں سے جنھوں نے اپنے وجود کو باقی رکھنے کی خاطر فرسودہ خیال اور مذہب کے سہارے جال میں پھانس کر عوام کو بیوقوف بنایا۔ افسوس ان باباؤں پر نہیں بلکہ ان لوگوں پر ہے جو اس طرح کے فرسودہ خیال پر یقین کرتے ہیں، دنیا کہاں چلی گئی اور ہم کن چیزوں میں اپنی زندگی کے سکون تلاش کرتے ہیں۔

آج کے اس ٹکنالوجی دور میں بھی اگر اس طرح کی واردات ہو رہی ہیں اور معاشرے میں رہ رہے لوگوں کو ان باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو اس سماج کو صفحۂ ہستی سے مٹنے میں دیر نہیں لگے گی۔ دنیا چاند پر اپنا گھر بنا رہی ہے اور ہم ابھی بھی اسی فرسودہ خیال میں کھوئے ہوئے ہیں۔

یقیناً اس طرح کی باتوں کو سن کر افسوس ہوتا ہے کہ کیا واقعی ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں یا پھر خواب وخیال کی دنیا میں گردش کر رہے ہیں جہاں دیومالائی اور مافوق الفطری عناصر کا بول بالا ہے۔ پچھلے کچھ سالوں سے ملک کے طول عرض پر نظر دوڑائی جائے تو حکومت وقت اسی فرسودہ اور پرانے خیال کی آبیاری میں لگی ہوئی ہے، جو ہزاروں سال پہلے رائج تھیں۔ ہاں شکل وصورت بدل گئی مگر خیال وہی ہے، چہرے نئے ہیں مگر ذہنیت وہی ہزاروں سال پرانی ہے۔ وہی ذات پات اور سماجی نابرابری و جاگیردارانہ نظام رائج ہے۔ گرچہ آج جاگیردار نہیں مگر کارپوریٹ ضرور ہیں۔ امیر امیر ہوتا جا رہا ہے اور غریب بھوک مری سے خودکشی کرنے پر مجبور ہے۔ ہمارا ملک ترقی یافتہ ضرور ہے مگر ملک کی ۷۳ فیصد آمدنی امیروں کے پاس ہے۔ کروڑپتیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے چونکہ حکومت کی خاص عنایت انھیں کے ارد گرد گھومتی ہے۔ اور حکومت ایسی پالیسی بناتی ہے کہ عوام دردر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہو جاتی ہے۔

اگر حکومت امیروں کو ملحوظ خاطر رکھ کر پالیسی بنائے گی اور عوام کو خوش رکھنے کے لئے لفاظی اور چونچلے بازی کرکے صرف نعروں (سب کا ساتھ سب کا وکاس) سے بہلانے کا کام کرے گی اور یہ بانگ دہل اعلان ہوگا کہ ہمارا ملک کا شمار ترقی یافتہ ملکوں میں ہوتا ہے تو میرے حساب سے یہ ترقی نہیں بلکہ ڈکیتی یافتہ ملک کہا جائے گا۔

آج ملک عجیب دور سے گذر رہا ہے۔ ہر طرف چیخ و پکار اور شور وغل کا دور دورا ہے ۔ میڈیا کٹھ پتلی بن کر حکومت کے تغلقی فرمان کو جائز اور درست ٹھہرا رہی ہے، مانو میڈیا عدالت لگا کر لوگوں کو دیش بھگت اور دہشت گرد ثابت کرنے پر تلی ہے۔ حکومت سے سوال کرنے کو ملک سے بغاوت کے طور پر پیش کرتی ہے۔

ہمارے ملک کا قانون سب کو مکمل آزادی دیتا ہے کہ اگر کسی کو حکومت کے کسی فیصلہ پر ناراضگی ہے تو وہ اپنی ناراضگی کا اظہار کرسکتا ہے۔ مظاہرہ کرکے اپنی بات کو سرکار تک پہنچا سکتا ہے، مگر حکومت اس طرح کی تمام آزادی پر قدغن لگانے کا کام کرتی ہے۔ اگر مسلمان سڑک پر آئے تو پاکستانی دہشت گرد، طلبا اپنے حق کی بات کرے تو ماؤوادی اور لیفٹسٹ ،اور اب کسان سڑک پر ہے تو ان کو بھی خالصتانی اور دہشت گرد ثابت کرنے کے لئے حکومت نے اپنی پوری آئی ٹی سیل سے لیکر تمام نیتا کو لگا دیا ہے ۔ میں کسان کی ہمت اور ان کی ثابت قدمی کا مرید ہوگیا کہ اتنی پریشانیوں کے باوجود ان کے ماتھے پر شکن نہیں ۔ اور مجھے امید ہے کہ یہی کسان جب اپنے اڑیل بیل کی ناک میں نکیل ڈال کر سیدھا کر دیتے ہیں تو حکومت کے غرور کو بھی چکنا چور کر کے ہی دم لیں گے۔

حکومت سوچی سمجھی سازش کے تحت ٹی وی پر ہندو مسلم، گائے گوبر اور لو جہاد کی بحث کرا کر ملک کے امن پسند لوگوں کو لڑانے کی کوشش کرتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انسان اپنی قدر و قیمت بھلا کر انسانوں کو حیوانات کی منڈی میں تبدیل کر رہا ہو۔ اور سماج کا ہر فرد شعوری اور لاشعوری طور پر میڈیا کے اس چنگل میں پھنستا جا رہا ہے۔ تبھی تو انسان کو کسی کی زندگی کے ختم ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگر ایسا ہی چلتا رہا تو یقیناً اس ملک میں انسان نہیں بلکہ حیوان نما انسان کا راج ہوگا۔ اور تاریخ داں جب اس ملک کی تاریخ لکھے گا تو اس بات کا ذکر ضرور کرے گا کہ،، جس وقت دنیا چاند پر سیر کر رہی تھی تو اس وقت یہاں کے لوگ فرسودہ خیال کے ذریعہ گائے اور گوبر میں ہیرے اور جواہرات تلاش رہے تھے،، اب بھی وقت ہے ہوش کے ناخن لوتا کہ یہ نہ کہنا پڑے۔۔۔۔۔

"اب پچھتاوے کیا ہوت، جب چڑیا چگ گئی کھیت"

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's

یونانی سینٹر فار کارڈیک کیئر

UNANI CENTER FOR CARDIAC

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony
Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

محمد قمر الدین (ریسرچ اسکالر، عثمانیہ) ایم اے، بی ایڈ

خدمتِ خلق کے علمبردار

دکن کی تاریخ اپنے آپ میں ایک مثال اور اس تاریخ کا طرۂ امتیاز شہر حیدرآباد ہے۔ اسی لئے تاریخ شہر کے اردگرد ہی گھومتی رہی ہے، نہ صرف شہر حیدرآباد بلکہ اس شہر میں آباد بستیاں اور انکے نام بھی کسی تاریخ سے کم نہیں اور ان بستیوں میں بسے کئی مکین بھی اپنے کارنمایاں کی وجہ سے چاہے وہ کسی بھی شعبہ حیات ہی میں کیوں نہ ہو اپنے آپ میں ایک تاریخ رکھتے ہیں ان میں سے چند ایک اپنے کار خیر کی وجہ سے ایسی تاریخ رقم کر گئے ہیں جسے لوگ فراموش نہیں کر پائینگے، شہر حیدرآباد کے ایک محلہ لنگر حوض کا نام بھی اسی تاریخ کا ایک حصہ ہے اسی محلے میں ایک بستی آباد ہے جسے نظام آرمی سے سبکدوش ہونے والے فوجیوں نے ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۳ء کے دوران آباد کیا تھا جس کا شمار حیدرآباد کی تاریخی بستیوں میں ہوتا ہے جسے عالمی سطح پر پنشن پورہ کے نام سے مقبولیت حاصل ہے۔

یہاں اسی بستی میں ایک وسیع قبرستان اور عیدگاہ بھی ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں قبور موجود ہے اسی اراضی کے مشرقی سمت میں حضرت سید شاہ میراں حسینی المعروف اولیؒ جیسے ولی صفت ہستی بھی آرام فرما ہے آپ کے آستانے سے آج بھی عام و خاص بلا لحاظ مذہب وملت فیض پاتے ہیں، قبرستان وعیدگاہ کا شمار آج بھی شہر حیدرآباد کے چند وسیع و تاریخی مقامات میں ہوتا ہے۔

جہاں عیدین کی نماز کے لئے اطراف واکناف کے علاقوں سے ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں اور یہ منظر قابل دید ہوتا ہے، نماز کے بعد متصل قبرستان محمدی کو اپنے اپنے مرحومین کی زیارت قبور و گل افشانی اور فاتحہ خوانی کے لئے جوق در جوق لوگوں کا اژدحام ایک روحانی منظر پیش کرتا ہے اس منظر کو دیکھ کر جو قلبی سکون میسر آتا ہے اس کی عکاسی تحریر کرنے کے لئے کم از کم میرے لئے مشکل امر نظر آتا ہے، ہاں یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ دل ودماغ پر ایک کیفیت سی طاری ہوتی ہے اگر محسوس کیا جائے تو یہ اپنی روزمرہ زندگی میں تبدیلی کا باعث بن سکتا ہے۔

اس عیدگاہ کے مقابل جنوبی سمت میں اس بستی پنشن پورہ کی ایک بہت ہی عالی شان اور بہت ہی وسیع عمارت "فاضلہ نیاز گلشن" ہے جسے عام وخاص "تاج بابا" کے مکان سے جانتے اور پہچانتے ہیں تاج بابا دراصل حضرت مولانا مولوی سرتاج محمد خان قادری المعروف تاج باباؒ مجاہد الاسلام غازی معرکہ محمدی قبرستان وعیدگاہ پنشن پورہ، موصوف ریلوے گارڈ، بانی عیدگاہ پنشن پورہ ومحمدی قبرستان پنشن پورہ لنگر حوض، بانی دتا حیات صدر پنشن پورہ عیدگاہ ومحمدی قبرستان ویلفیر کمیٹی جسکی بنیاد تاج باباؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا مولوی نیاز داد خانؒ بیابانی رسالدار نظام آرمی کی سرپرستی، وزیر نگرانی اپنے نانا حضرت (مولانا مولوی استاد سید حسینؒ المعروف پہلوان صاحب (کشتی) یعنی دنگل کے پہلوان، آپ کے شاگرد سارے حیدرآباد میں تھے آج بھی انکے شاگردوں کے شاگرد سیکنڈ لانسر، قلعہ گولکنڈہ اور دیگر علاقوں میں موجود ہیں) اپنے تینوں ماموں حضرات، حضرت مولانا مولوی سید امیر حسین، حضرت مولانا مولوی سید افضل حسین، حضرت مولانا مولوی سید مظفر حسین رسالدار نظام آرمی اور دیگر بزرگ محترم حضرات جو کہ سابق فوجی نظام آرمی کی موجودگی میں ۱۹۵۲ء میں رکھی تھی اور

موجودہ اراضی کو بڑی منت، سماجت سے نواب صاحب سے وقف کروایا تھا، یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اس کمیٹی کی بنیاد سے قبل عیدین کی نمازیں لال مٹی کے میدان موجودہ ملٹری ہاسپٹل گولکنڈہ کی کھلی اراضی پر ہوا کرتی تھی وقت کی نزاکت اور ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ایک نوجوان کا اقدام اور بزرگوں کی دانشمندی سے لیا گیا فیصلہ آج ایک وسیع قبرستان اور عیدگاہ کی شکل میں اپنے آپ میں ایک مثال بنا نظر آتا ہے،

عیدگاہ اور قبرستان آسانی سے حاصل نہیں ہوا اس کے پیچھے ایک لمبی جدوجہد ہے جسے میں نے اپنے مضمون کی اولیں سطور میں "معرکہ مجری قبرستان وعیدگاہ پنشن پورہ" سے منسوب کیا تھا وہ یہی جدوجہد ہے جسکی ایک طویل داستان ہے اور اس جدوجہد، بھاگ دوڑ، محنت مشقت، مالی وجسمانی آزمائشوں، اپنے پرایوں کی تنقیدوں، سیاسی وغیر سیاسی نام نہاد ہستیوں بستی کے چند حاسدین کی جانب سے قدم قدم پر کھڑی کی جانے والی دیواروں اور رکاوٹوں کا یکا و تنہا مرد مجاہد کی طرح مقابلہ کرنا، صبر و استقلال سے کام لیتے ہوئے اپنے ہدف پر اپنی بھرپور توجہ مرکوز کرتے ہوئے ہر محاذ پر تحریری، مالی اور جسمانی طور پر نفس نفیس مد مقابل کو ترکی بہ ترکی قائل کروانا اور اپنی ہر دلیل کو حکومت کے دستاویز سے قابل قبول بنانا اور منوانا کوئی جوئے شیر لانے سے کچھ کم نہیں تھا پھر بھی موصوف کی ہمت، حکمت، صبر، حاضر جوابی مع دلائل قابل دید تھی شائد کسی کسی کو یہ خداداد صلاحیت نصیب ہوتی ہے۔ یہ کوئی سہل نہ تھا اور وہ بھی مقابلہ کس سے محکمہ فوج سے دراصل یہ اراضی قبل آزادی سابقہ فوجی نظام فوج کے لئے عیدگاہ اور مرحومین کے لئے مدفن کی جگہ کے تحت وقف کردی گئی تھی۔

جیسے کے یہ بات روشن ستارے کی طرح عیاں ہے کہ کسی بھی چیز کی دیکھ بھال اور اس پر عقابی نظر نہ رکھی جائے تو مسئلے مسائل پیدا ہو ہی جاتے ہیں، یہی معاملہ اس وقف کردہ اراضی کے ساتھ ہوا یعنی قدیم لوگ جو کہ نہایت ہی سادہ لوح، ہمدرد، ملنسار، خدمت گزار ہوا کرتے تھے، آج بھی ایسے افراد نظر آجاتے ہیں ہاں یہ بات بھی مصدقہ ہے کہ ان کی تعداد انگشت شماری سے تجاوز نہیں کرپاتی، خیر ہوا یہ کہ کھلی اراضی ہونے کی وجہ سے اس کی دیکھ بھال یعنی نگہداشت نہایت ہی مشکل امر تھا پھر بھی جیسے تیسے معاملات چل رہے تھے کبھی کبھار ایک عاد میت کی تدفین ہوجاتی اور دونوں عیدین پر اتنی وسیع اراضی جو کہ ناہموار اور جھاڑیوں سے گھری ہوئی تھی مغربی سمت میں ایک ممبر رکھا ہوا تھا جس کے اُپر ایک بہت ہی مختصر سا شامیانہ ڈال دیا جاتا اور نماز ادا کی جاتی آج بھی وہ بچپن کی عیدوں کا منظر یاد ہے ہم نماز ادا کرتے ہی رہتے اور آس پاس سے بیل بھینس گزر رہے ہیں، معمولی سے انتظام ہوتے بس جیسے تیسے دن گزرتے رہے، ان دنوں محلے کے دیگر حضرات مداخلت کرکے اس عیدگاہ اور قبرستان کی ذمہ داری اپنے ذمہ لیئے ہوئے تھے اور شرفاء بستی نا چاہتے ہوئے بھی مصلحت سے یہ سب برداشت کررہے تھے۔

اسی دوران یہ ہوا کے درگاہ کے متولی وموجودہ سجادہ نشین نے مغربی سمت کے قبرستان اور عیدگاہ پر بھی اپنا اختیار جتانے لگے دیکھتے ہی دیکھتے قبرستان میں میت پر میت کی تدفین ہونے لگی دن میں چار سے چھ میت کا آنا معمول سا بن گیا اور بستی کے جو حضرات ذمہ داری لئے ہوئے تھے اپنا پلڈہ جھاڑنے لگے یعنی اپنے فرض سے مکر گئے اور روپوش ہوگئے کیوں کہ اب مقابلہ ذمہ داراں قبرستان اور عیدگاہ کے لئے دو دو فریق سے ہوگیا تھا ایک طرف درگاہ کے متولی تو دوسری طرف فوجی عملہ، یہ رسہ کشی شائد بستی کے نام نہاد مہربانوں کے بس کے باہر تھی۔ ایک طرف متولی درگاہ کا حق جتانا تو دوسری طرف ہندوستانی فوج کی جانب سے نافذ کئے جانے والے نت نئے قائدے وقانون اور اس وقف شدہ اراضی کو اپنی ملکیت بتانا

،تمام نہادذمہ داران کے گلے کی ہڈی بنے ہوئے تھےایسے حالات کے بس خدا خیر کرے میت کے لئے قبر کھودنا بھی ایک سنگین مسئلہ بن گیااور عیدین کی نماز بھی ڈروخوف کے ماحول میں ادا کی جانے لگی کون چاہے گا اپنی شامت آپ بلائے فوجیوں کا عیدگاہ پر پریڈ کرنا،ملٹری کی گاڑیوں میں بھرے فوجیوں کا دن میں تین بار ساری عیدگاہ کی اراضی پر اور عیدگاہ کے متقابل گھروں کے پاس گشت کرنا وہ بھی اپنے ہاتھوں میں ہتھیار تھامے ہوئے ایسے مناظر دیکھ کر کون ہوگا جو ان کے مقابل ٹھہرے اور کلام کرے کوئی نہیں تھا سب اپنے اپنے گھروندوں میں گھس پڑے تھے کسی کو بھی آخری گھر کی پرواہ ہی نہیں تھی۔

قدرت نے ایسے خوف زدہ ماحول میں ایک بار پھر دنیائے فانی کے سامنے ایک مردِمجاہد کو لا کھڑا کیا، جسے عام وخاص تاج باباؒ کے نام سے جانتے ہیں۔آپ کی پیدائش زمیستان پور رسالہ خورشید جاہی میں ایک فوجی حضرت مولانا مولوی نیاز داد خانؒ بیاپانی رسالدار نظام آرمی کے گھر ۱۲ مئی ۱۹۳۵ء بروز چہارشنبہ بوقت قبل اذان ظہر ہوئی گھر والے، والدین، بہنیں، دونوں چاچا اور ایک پھوپی خوشی سے سرشار ہوئے تھے اور یہ خوشی دوبالا ہوگئی جب تمام رسالہ میں بھی خوشیاں منائی گئی دراصل رسالدار نیازو بھائی کے یہاں ایک عرصہ بعد پھر لڑکا ہوا تھا حضرت مولانا مولوی نیاز داد خاں رسالدار نظام آرمی کو لوگ محبت سے نیازو بھائی کہہ کر مخاطب کرتے تھے،خوشیاں منانے کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس لڑکے کی پیدائش سے قبل نیازو بھائی کے ۵ لڑکے اور ایک لڑکی بہشت کے پھول بنے اپنے مالکِ حقیقی کے پاس کمسنی میں ہی جاچکے تھے ننھیال ودوھیال دوطرف سے فوجی گھرانا ہونے کی وجہ سے سارے کے سارے رسالہ خورشید جاہی میں کئی دنوں تک عید سا منظر بنا رہا۔

تاج باباؒ ابھی کمسن ہی تھے کہ انکے والد محترم اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوگئے سرکاری بنگلہ خالی کر کے یہاں چلے آئے تاج باباؒ نے جب ذرا ہوش سنبھالا تو خاندان کے بزرگوں نے محسوس کیا انکی فطرت عام بچوں سے بہت ہی مختلف ہے،طبیعت میں انکساری،ملنساری،ہمدردی،صاف ستھرے رہنے کی کوشش، کسی بھی بات کو آسانی سے سمجھنے کی صلاحیت اور کسی بھی نصیحت کو یاد رکھنے اور اس پر ہمیشہ عمل پیرا رہنے کی عادت، پڑھنے لکھنے کی لگن قابل رشک تھی، جب ذرا سی عمر بڑھنے لگی تو یہ کیفیت بھی دیکھی گئی اپنے آپ کو تندرست، چاق و چوبند رکھنے کے لئے فٹ بال کھیلنا، پابندی سے ورزش کرنا اور زیادہ سے زیادہ وقت پڑھائی لکھائی میں گزارنا وغیرہ وغیرہ۔

آپ کے سن بلوغ تک پہنچتے پہنچتے ایک کیفیت جو شدت سے سب نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ "کچھ کر گزرنے کی جستجو خود کے لئے نہیں خدا کی رضا کے لئے" انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے ایسا خدمتِ خلق کا جذبہ بہت کم ہی کسی میں نظر آتا ہے، ہر دم یہی کوشش رہتی کہ کسی بھی طرح معاشرہ کی فلاح کی جائے اسی جستجو نے انھیں اپنے ہم عمر طبقے میں ممتاز بنا رکھا تھا، گھر اور خاندان میں تو پوچھئے نہیں ایک لوتے لڑکے ہونے کی وجہ سے ہر بات میں دوسروں سے علحدہ اور سب سے زیادہ لاڈلے تھے ہر کوئی اپنی جان نچھاور کرتا تھا، رہن سہن، رکھ رکھاؤ، کھانے پینے، پہناوے میں انھیں سب کچھ بہتر بلکہ بہترین مہیا کیا جاتا تھا لیکن تعلیم وتربیت کے معاملہ میں کوئی رعایت نہیں برتی جاتی تھی، اسی لئے کم عمر سے ہی صوم وصلاۃ کے پابند ہوگئے تھے، دینی تعلیم سے بخوبی آراستہ ہوچکے تھے، اپنے والدین اور خاندان کے دیگر بزرگوں کی صحبت نے انھیں چھوٹی سی عمر میں ہی نہایت حساس، انسانی قدروں کا پاسدار، بڑوں کا فرمانبردار، چھوٹوں کا دلدار، اپنوں، پرایوں کا دلارا اور سب کی آنکھوں کا تارا بنا ڈالا تھا۔

دنیاوی تعلیم کے لئے آغازِ سفر مدرسہ ہاشمیہ (تحتانیہ) کمپنی باغ سکنڈ لانسرز سے چہارم تک تعلیم حاصل کی، مدرسہ

وسطانیہ گولکنڈہ سے ساتویں کامیاب کیا، پھر چند دنوں کے لئے مستعد پورہ اسکول میں رہے، اس کے بعد گولکنڈہ ہائی اسکول سے دسویں میں کامیابی حاصل کی۔ سٹی کالج سے انٹرمیڈیٹ کیا، اس کے بعد بی۔اے اور ریلوے گارڈ (ساؤتھ سنٹرل ریلوے) بن کر اپنی ملازمت کے دور کا آغاز کیا، پھر رشتہ ازدواج میں بندھ گئے لیکن ان تمام ادوار میں کبھی بھی اپنے ہدف سے پیچھے نہیں ہٹے یعنی" کچھ کر گزرنے کی جستجو خود کے لئے نہیں خدا کی رضا کے لئے "اس سوچ نے دور طالب علم سے ہی انھیں طلبہ کے بک بینک کھولنے پر مجبور کردیا تھا اور ایک بار پھر قدرت نے ۱۹۹۴ء میں متولی درگاہ اور ہندوستانی فوج کے مقابل لاکھڑا کیا۔

شروع ہوا "معرکہ محمدی قبرستان وعیدگاہ پنشن پورہ" کچھ دنوں تک تو چند لوگ آپ کے ساتھ شامل رہے، اس کے بعد ایک محاورہ "جہاز ڈوبنے آئے تو پہلے چوہے کود پڑے" کے مصداق غائب ہوگئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ قبرستان اور عیدگاہ کی اراضی کا معاملہ نہیں بلکہ تاج بابا کا نجی معاملہ ہے، نہ صرف غائب ہوگئے بلکہ پیٹھ پیچھے انھیں اپنے مقصد سے ہٹانے کے ایسی ایسی غیر شائستہ حرکات، کبھی بلاوجہ کام میں رکاوٹ ڈالنا، کبھی فوجیوں کو جا کر اکسانا، کبھی عید کے لئے ہونے والی صاف صفائی میں مداخلت کرنا، کبھی سیاسی نمائندوں کے ساتھ ساتھ بستی کے لوگوں کو جمع کر کے گھر پر حملہ کرنا جیسا اقدام بھی کئے ہیں اور یہ سب کوئی غیر نہیں اپنے ہی تھے یعنی ہم مذہب، توبہ، توبہ، توبہ خیر اللہ تعالیٰ نے جس سے جو کام لینا تھا لے لیا، آخر کار عیدگاہ اور قبرستان کو فوج سے آزاد کروا کر ہی چین کی سانس لی اور یہ سب سرکاری طور پر لکھا پڑھائی کے ساتھ ہوا اب درگاہ کے متولی اور محکمہ فوج کوئی بھی اس میں مداخلت نہیں کر سکتے ہیں۔

سرتاج آپ اپنے نام کے مطابق کسی بھی کام کا بیڑہ اُٹھا لیتے تو اسے انجام تک پہنچا کر ہی دم لیتے، کامیابی کا سہرہ آپ ہی کے سر پر تاج کی طرح سجایا جاتا اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخصوص معرکہ انجام دینے کے لئے ہی اس دنیا میں بھیجا تھا اور آپ کے کارناموں پر نظر ڈالے تو پتہ چلتا ہے آپ کم عمری ہی سے کئی تنظیموں کے بانی، صدر، سرپرست جیسے ذمہ دارانہ عہدوں پر فائز ہوتے رہے ہیں۔

جس میں قابل ذکر انڈو عرب گلڈ: جس کے تحت عرب میں مقیم ہندوستانیوں کے مسائل کے حل کے لئے یہ تنظیم رضاکارانہ طور پر ہند اور عرب کی حکومتوں سے رجوع ہو کر حل نکالا کرتی تھیں، اسی انڈو عرب گلڈ کے وفد کی نمائندگی پر حیدرآباد ایرپورٹ (بیگم پیٹ) سے انٹرنیشنل فلائٹ کا آغاز، حسین ساگر ایکسپریس ٹرین کا نا مپلی حیدرآباد سے آغاز سفر اور سفارتی محکمات سے ربط کر کے عرب میں مقیم ہندوستانیوں خاص طور پر حیدرآبادیوں اور اطراف واکناف کے اضلاع کے باشندوں کی خدمات مقصد تھا اور یہاں حیدرآباد میں مفت طبی کیمپ، کھیل کود کے مقابلے کروانا، ہندو مسلم بھائی چارہ کے لئے عملی اقدامات تہنیتی ایوارڈس دینا، عوامی نمائندوں کو اپنے علاقہ کے مسائل سے واقف کروانا اور ان مسائل کا حل کروانا، ناقابل فراموش ہیں۔

بغداد کرکٹ کلب: اس کلب کی ٹیم نے نہایت ہی شاندار مظاہروں کا ایک سلسلہ بنا رکھا تھا اور کئی مقابلوں میں حصہ لیتے ہوئے اپنی جو چھاپ چھوڑی تھی آج بھی لوگ اس کے واقعات بیان کرتے رہتے ہیں۔

میارج انفارمیشن بیورو: اس کے تحت اوسط گھرانوں کے لڑکے لڑکیوں کے آپس میں رشتے طے کروانے کا بیڑہ اُٹھایا گیا تھا اور اس کی کوئی اجرت نہیں لی جاتی تھی۔

عیدگاہ پنشن پورہ ومحمدی قبرستان وطفیر کمیٹی: کے تحت قبرستان وعیدگاہ کی تقریباً چھ ایکڑ اراضی کا حصول اور اسکی حصار بندی، نماز عیدین کے لئے چبوترے کی تعمیر گیٹ لگانا

وغیرہ یہ ایسے کارنامے ہیں جو انشاء اللہ رہتی دنیا تک ثواب جاریہ بنے رہینگے۔

فاضلہ نیاز ایجوکیشنل سوسائٹی: کے تحت ۱) مدرسہ فاضلہ عربیہ کا قیام (ملحقہ جامعہ نظامیہ) خاص طور پر مسلم لڑکیوں کے لئے دینی تعلیم کا اہتمام تمام طالبات کے لئے برقع، یونی فارم اور بس پاس کی سہولت، ساتھ ہی ساتھ لڑکیوں کو ہنر مند بنوانے کے لئے ۲) فاضلہ لیڈیز ٹیلرنگ سنٹر کا قیام (ملحقہ سیٹ ون) یہ کوئی آسان کام نہیں تھے اور یہ سب خاص انہیں کی نگرانی میں پائے تکمیل کو پہنچے تھے، اس کے علاوہ ایک مدرسہ کی بھی بنیاد رکھی تھی جسکا نام تھا ۳) سینٹ نیاز اردو اسکول: اس کے تحت مرد بچوں کی دینی و دنیاوی تعلیم کا انتظام۔

گولکنڈہ بائز اردو ہائی اسکول صدی تقاریب:

گولکنڈہ اُردو بائز ہائی اسکول کی صد سالہ تقاریب بھی آپ ہی کی سرپرستی میں منائی گئی اس یادگار موقع پر ایک بہت ہی خوبصورت ساوینیر بنام ''صدف گولکنڈہ'' شائع ہوا تھا جسے ایک تاریخی دستاویز سے کم نہیں مانا جائے گا۔

اُس دور کی گورنر (متحدہ آندھرا پردیش) محترمہ مسز کمود بین جوشی کے ہاتھوں آپ کو ''قومی ایکتا ایوارڈ'' سے نوازا گیا تھا ان تمام کار خیر پر سنجیدگی سے نظر ڈالی جائے تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ سب کسی اور قوم کے فرد نے کیا ہوتا تو اس کے اعزاز میں گلپوشی شال پوشی کا ایک طویل سلسلہ چلتا ہی رہتا اور بعد از وفات اسکا یوم ولادت، یوم وفات دھوم دھام سے منایا جاتا خیر وہ خود بھی تو جگ نمائی نہیں چاہتے تھے اسی لئے ای ٹی وی اردو کو اپنا انٹرویو دینے سے معذرت کے ساتھ انکار کردیا تھا لیکن آپکی وفات کے بعد ای ٹی وی اردو نے عیدگاہ پنشن پورہ محمدی قبرستان کے کارنامے پر ایک رپورٹ پیش کی تھی۔

تاج باباؒ کی داستانِ حیات پر نظر ڈالی جائے اور ان کے ذریعہ انجام دیئے گئے کارناموں اور خدمات کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں تو یہی خیال ہمارے دل و دماغ میں آتا ہے کہ ان کا مقصد صرف اور صرف خدمتِ خلق وہ بھی فرضِ عین کی طرح، کچھ کر گزرنے کی جستجو خود کے لئے نہیں خدا کی رضا کے لئے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے ایسا خدمتِ خلق کا جذبہ بہت کم ہی کسی میں نظر آتا ہے۔

حضرت مولانا مولوی سرتاج محمد خان قادری المعروف تاج باباؒ مجاہدالاسلام بانی عیدگاہ پنشن پورہ و محمدی قبرستان پنشن پورہ لنگر حوض، غازی معرکہ محمدی قبرستان و عیدگاہ پنشن پورہ موصوف ریلوے گارڈ، بانی تاحیات صدر پنشن پورہ عیدگاہ و محمدی قبرستان ویلفیر کمیٹی جن کے لئے خدمتِ خلق اپنے آپ اپنی بیوی بچوں اور اپنی ہر طرح کے نجی معاملات سے اہم تھا اپنی تاریخی زندگی کے ۷۹ سال کا سفر کا اختتام کیا، ۱۳ ستمبر ۲۰۱۰ کو اللہ تعالیٰ نے شہیدی کا رتبہ دیتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے پاس بلوالیا، محمدی قبرستان میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو مغربی سمت میں آرام فرما ہیں۔ آپ بظاہر اس دنیا سے اور ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں لیکن ان کے کارنامے ہمیں انکی یاد دلاتے رہینگے اور ہمیں خدمتِ خلق کے لئے دعوت بھی دیتے رہینگے۔

بقیہ ص ۳۹ کا

ایک دوسرے کو نیچا دکھانے میں گزرتی ہے ایک دوسرے پر طنز کرتے ہیں جب لوگ محنت کی کھاتے ہیں اور پوری ایمانداری سے اپنی روزی روٹی کماتے ہیں تو لوگ ان کو ادنیٰ کہتے ہیں اور جو محنت کی کھاتے ہیں اور جو لوگ محنت نہیں کرتے ان کو نکما کہا جاتا ہے اور جو ڈٹ کر ہر ایک مشکل کا سامنا کرے تو اس کو ضدی کہتے ہیں:

جو محنت کی کھائی تو ادنیٰ کہا

جو ستالیا تو نکما کہا

اور جو ڈٹ کر رہا اس کو ضدی کہا

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سری لنکا کی شاعری عورتوں پر ہونے والے ظلم و ستم کے خلاف احتجاجی شاعری ہے۔

ماہنامہ ''صدائے شبلی حیدرآباد کا خصوصی شمارہ

''حضرت عبدالرحمٰن جامی نمبر'' کی رسم رونمائی

حضرت عبدالرحمٰن جامی فکر و فن میں یکتائے روزگار تھے اور انہوں نے اپنی اداد صلاحیت کو پورے بشاش کے ساتھ عام کر دیا تھا۔ پروفیسر مظفر علی شہ میری صاحب شبلیا انٹر نیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد کے زیر اہتمام ایک شام حضرت عبدالرحمٰن جامیؒ کے نام ماہنامہ صدائے شبلی خصوصی نمبر حضرت عبدالرحمٰن جامی کی رسم اجراء کرنے کے لئے بمقام ڈیمریس اے بی سی ہال وجے نگر کالونی حیدرآباد میں پروگرام کا انعقاد کیا گیا۔ جس کی صدارت پروفیسر مظفر علی شہ میری وائس چانسلر ڈاکٹر عبدالحق اردو یونیورسٹی کرنول آندھراپردیش نے کی اور خصوصی نمبر حضرت رحمٰن جامی کی رسم اجراء کی۔ انہوں نے صدارتی خطاب میں شبلیا انٹر نیشنل کی ٹیم کو مبارکباد دی اور زمینی کاموں کو سراہا، بعد ازاں حضرت جامیؒ کی شاعری کا جائزہ پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کی شاعری میں مجموعہ اصناف سخن تقریبا موجود ہیں جو فکر و فن کے معیار پر کھری اترتی ہیں اور انہوں نے اپنے فن کو پوری بشاشت کے ساتھ تقسیم کیا ہے اس وجہ سے وہ اس صدی کے یکتائے روزگار تھے۔ ان کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کلام کا انتخاب کر کے پرنٹ اور الیکٹرانک وسائل سے عام کرنے کی ضرورت ہے۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے ڈاکٹر محمد نعمان سابق چیرمین آندھراپردیش اردو اکیڈمی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، مولانا حافظ محمد فہیم صاحب، ڈاکٹر ناظم علی، محمد ذکریا داماد حضرت جامی، امۃ الغفور حمیرا جامی دختر حضرت جامی، مفتی احمد نور عینی، ابوالعبد الکریم وزیر نادر، رفیع جوشین، معین الدین احمد، ڈاکٹر رحیم رامش، محمد آصف علی، ڈاکٹر مظفر علی ساجد، اور دل ہاشمی نے شرکت فرمایا اور سبھی نے مختصر خطاب میں حضرت جامی کی علمی اور ادبی خدمات کو مثالی قرار دیا۔ اور شاہنواز ہاشمی، زاہد ہریانوی، فضیل فیض، ڈاکٹر عائشہ صدیقہ، ڈاکٹر دانش نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا، ڈاکٹر عبدالقدوس قرشی نے شبلی انٹر نیشنل کی تین سالہ زریں خدمات پر روشنی ڈالی، اغراض و مقاصد کے ساتھ ساتھ آئندہ کے عزائم سے باخبر کیا۔ اور تعاون کی اپیل کی۔ ٹرسٹیز معاونین میں ڈاکٹر سید حبیب امام قادری، محسن خان، ڈاکٹر عمران احمد، مولانا ساجد بلال احیائی، محمد وقار حسامی، محمد مصادق بلال، محمد بلال، مکاشف بلال، محمد وقاص، محمد فوزان نے مہمانوں کا استقبال کیا اور حاضرین کی ضرورتوں کا خیال رکھا۔ پروگرام کے کنوینر ڈاکٹر محمد مجاہد بلال اعظمی ایڈیٹر ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد، چیرمین شبلیا انٹر نیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ نے نظامت کے فرائض انجام دئے، اور صدر جلسہ پروفیسر مظفر علی شہ میری، مہمان خصوصی، مہمان اعزازی، خاندان حضرت عبدالرحمٰن جامی، شاگردان جامی، حاضرین محفل و معاونین اور میڈیا والوں کا شکریہ ادا کیا، جلسہ کا آغاز محمد مکاشف بلال کی تلاوت سے ہوا اور حضرت جامی جی کی نعت کو شاہنواز ہاشمی نے پیش کیا، مولانا حافظ محمد فہیم الدین صاحب کی دعا پر اس کامیاب پروگرام کا اختتام ہوا۔

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ.................. گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی علم کی نشر واشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵؍جنوری ۲۰۱۶ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العٰلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ ٹرسٹیوں کے مشورے سے تین سو بائیس (322) ؍گز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جارہی ہے، جس کی مجموعی قیمت 36 ؍لاکھ روپے ہے، فی گز 12 ؍ہزار روپے ہے۔ 10 ؍لاکھ روپے بطور بیع نامہ ادا کیا گیا ہے۔ اس زمین پر مصلی، مدرسہ، لائبریری، دفتر اور ایک آڈیٹوریم بنانے کا ارادہ ہے۔ اس لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

Bank Name: IDBI CURENT ACCOUNT
A/cNumber: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد مجاہد بلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا چیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**

Urdu Monthly
SADA E SHIBLI
Hyderabad

RNI: TELURD/2018/77022
ISSN: 2581-9216

Rs. 20/-

مجتبیٰ ٹکسٹائلس

MUJTABA
TEXTILES FOR THE GENTLEMAN IN YOU

#20-4-20/6/1, 20-4-20/7/5 & 7/6, Punch Mohalla, New Laad Bazar, Khilwath, Hyderabad. T.S. India

Ph: +91 6281040896 - Email: mujtabatextiles18@gmail.com - Web: www.mujtabatextiles.com

Follow us on facebook: https://www.facebook.com/mujtaba.textiles.1

Editor, Printer, Published & Owned by Mohd. Muhamid Hilal
Printed at Daira Electric Press, #22-8-143, Chatta Bazar, Hyderabad. 500 002.
Published at #17-3-352, B1, 2nd Floor, Bafana Complex, Dabeerpura, Hyderabad - 23, T.S
Cell: 9392533661, 8317692718, Email: muhamidhilal@gmail.com